آسیہ رزاقی

[illegible]

دروازہ کھلنے تک وہ سانس بحال کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ تھکن سی تھکن تھی۔ پورے سراپا میں تیر رہی تھی۔ اف یہ سفر' دروازہ کھلا اور وہ سامنے تھی۔ چہرے پر جو ہلکی سی انتظار والی کیفیت تھی۔ اسے دیکھ کر نابود ہو گئی۔

"آیئے اندر آیئے۔"

اس نے تپاک کا مظاہرہ کیا اور اسے اندر لے آئی۔ مختصر سا صحن پار کر کے ایک کمرے میں لے آئی۔

"بیٹھیں آپا!" وہ قدرے رک کر بولی۔

"آپ تو پہلے سے بہت کمزور لگ رہی ہیں۔" وہ جھجک رہی تھی۔ ثنا پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اسے آرام کی شدید ضرورت تھی۔

"کیا آپ کی طبیعت خراب ہے کچھ۔" وہ میزبان تھی مہمان کی مزاج پرسی اخلاق کے زمرے میں آتی ہے۔

"نہیں بس تھکن ہے۔" ثنا نے پژمردہ لہجے میں کہا۔

ناولٹ

"اچھا! آرام کریں آپ میں آپ کے لیے جوس لاتی ہوں۔ ابھی تازہ نکالا ہے۔"

وہ کمرے سے نکل گئی۔ اس کے سیاہ بال کھلے ہوئے تھے اور پشت پر لہرا رہے تھے۔ اس کے جانے کے بعد ثنا نے ایک لمبی سانس لی۔ کمرہ روشن اور فراخ تھا۔ پلنگ پر نیلے پھولوں کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ سامنے ایک ڈریسنگ ٹیبل تھی۔ جس پر بہت مختصر میک اپ کا سامان تھا۔ آئینے پر سرخ مارکر سے کارٹون بنا ہوا تھا۔ کارٹون بنانا یاسر کی عادت تھی۔ گویا وہ خوش تھا۔ مطمئن اور بے فکر۔ کمر میں درد تھا۔ وہ لیٹ گئی۔ سر میں بھی درد تھا۔ ٹرین کا سفر اتنا آرام دہ نہ تھا۔ اوپر سے مستقبل کی فکر۔ پریشانی اور طبیعت بھی خراب ایمن جوس لے آئی۔ ثنا کو بیٹھنے میں اس نے مدد کی۔ جوس نے کچھ طاقت بحال کی۔



"شکریہ۔" ایمن نے گلاس واپس کرتے ہوئے اس نے ممنون لہجے میں کہا۔

"ارے آپا! شکریے کی کیا بات ہے۔ آپ تھکی ہوئی ہیں۔ لیٹ جائیں میں آپ کے لیے کھانا لاتی ہوں۔"

"تمہیں ۔۔۔ زحمت ہو گی۔" وہ خواہ مخواہ شرمندہ ہوئی۔

"نہیں، نہیں کھانا تیار ہے۔ آپ کراچی سے کس وقت چلی تھیں۔"

"میں رحیم یار خان میں تھی۔ وہیں سے آ رہی ہوں۔"

"تو پھر بھی خاصا لمبا راستہ ہے۔ کھانا کھا کر سو جائیں آپ۔"

اس کا ہمدردانہ لہجہ ثنا کے دل کو تقویت پہنچا رہا تھا۔

ایمن نیک مزاج تھی جو ثنا کی سوکن تھی۔ چار پانچ سال پہلے یاسر نے اپنی اماں کے بے حد اصرار اور دباؤ پر اولاد کی خاطر شادی کر لی تھی۔ وہ ثنا سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اس نے اماں کی خوشنودی حاصل کر لی اور اپنی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ ایمن کے حقوق ثنا کی محبت وہ سمجھ نہیں سکا۔ کس طرح انصاف کرے۔ جبکہ ثنا کی محبت رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی اور ان گزرے چار سالوں نے حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت و خدمت رواداری محبت خوش مزاجی ایثار کے علاوہ کئی خوبیوں سے آگاہ ہو کر اس کا والہ و شیدا ہو گیا تھا۔ آدمی ہر طرح سے پرکھنے کے بعد ہی تو عاشق صادق بنتا ہے۔

شادی ہونے کے بعد بھی وہ ایمن سے کتراتا رہا۔ ثنا اسے زبردستی ایمن کے پاس بھیجتی۔ وہ اس بات پر بھی ثنا سے خفا ہو جاتا۔ جبکہ یاسر کی اماں کی نظر میں ثنا کی یہ ادا چالاکی ہوتی۔ گو کہ اماں کے سامنے بھی اس نے دوسری شادی سے بیزاری بہت بار ظاہر کی۔ ثنا سے محبت کا اظہار بھی بے باکی سے کرتا۔

"ایمن کا کیا قصور ہے کہ اسے سزا دی جائے۔" وہ پوچھتی۔

"تو میرا قصور کیا ہے؟" وہ تڑپ جاتا۔ ثنا سوچتی قصور تو میرا ہے۔ میں اولاد نہ دے سکی۔ اسی لیے اماں نے جلد بازی میں لاکھوں منتوں خوشامدوں کے بعد اسے راضی کر کے ایمن کو بیاہ لائیں۔ پھر اس کا ٹرانسفر پنڈی ہو گیا۔ اب یاسر پچھتایا۔ کاش چند دن اور اس قصبے کو ٹل جاتا۔ پھر ثنا کو لے کر پنڈی پہنچ جاتا، کیا کر لیتیں اماں۔

ثنا کو بھی افسوس تو ہوا۔ مگر یہ نصیبوں کا لکھا تھا۔ اس نے دل کو بہلا لیا۔

یاسر نے ایمن کو میکے پہنچا دیا۔ وہ پنڈی جانے سے پہلے ثنا کے ساتھ آزادی سے رہنا چاہتا تھا۔ اماں کے غضب ناک تیور بھی اسے ڈرا نہ سکے۔

"میں پنڈی پہنچ کر مکان کا انتظام کر کے تم کو بلاؤں گا۔"

"اور ایمن۔"

"وہ اماں کی لاڈلی بہو ہے یہیں رہے گی۔" وہ ناراضی ظاہر کر رہا تھا۔ مگر ثنا جانتی تھی اماں خود ثنا کو کسی بہانے روک لیں گی۔ ایمن کو اس سے پہلے ہی روانہ کریں گی اور یاسر کے جانے کے بعد اماں نے اسے بے حد تنگ کیا۔ طعنے، بد دعائیں، 'بھوکا رکھنا' ساس ہی نہیں دونوں نندیں بھی اس کی دشمن بن گئیں۔ حالانکہ ان سے اس کی بھی دوستی تھی۔ لیکن ایمن کی حمایت میں وہ سب اس سے نہ جانے کب کب کے بدلے چکانے لگیں۔ اولاد اس کے بس میں ہوتی تو وہ اب تک دو بچے تو ان کی گود میں ڈال دیتی۔ لیکن وہ با اختیار نہ تھی۔ ساس کا رویہ سخت ہتک آمیز تھا۔ گھر کے تمام کام کرنے کے باوجود وہ گھر میں اپنی جگہ نہ بنا سکی۔ یاسر کے جاتے ہی نہ جانے سب اس قدر سنگ دل کیوں ہو گئے۔

شادی کی اجازت اس نے تحریری دی تھی۔ بغیر جبر کے اس کے باوجود وہ کہتی تھیں۔

"ثنا اب کہیں چلی جائے۔ نہیں تو بھی دفع ہو۔"

انہیں ثنا کی صورت سے نفرت تھی۔ "جب تک تم رہو گی۔ ایمن کا گھر نہیں بس سکے گا۔ وہ یاسر کے دل پر نہیں چڑھے گی۔ ایمن کے گھر والے اسے کب تک

کے گھونٹ کی طرح پی گئی۔ یاسر سے اس نے کبھی شکوہ کیا نہ شکایت۔ خوش دلی سے ہنس کر وقت گزارا۔ یاسر کی خاطر اس کے گھر کے ماحول کو خوشگوار بنائے رکھنے کے لیے اور یاسر نے یقین کیسے کر لیا۔ کیا اتنے کم عرصے میں کوئی بدل سکتا ہے؟ یعنی فطرت، مزاج، رویئے کیوں یاسر نے مان لیا۔ اس قدر جلد وہ اس کی قربانیاں محنت اور جدوجہد سب بھول گئے۔ وہ ان کی بے پایاں محبت کیا ہوئی جس کا اظہار ہوتا رہتا تھا۔

دوبارہ سہ بارہ جب بھی اس نے پنڈی آفس فون کیا۔ یاسر کی غیر موجودگی کی اطلاع ملی۔ خط بھیجا، جواب نہیں آیا۔ مایوسی اور حد درجے کی پریشانی بھابی بغور اس کو چیک کر رہی تھیں۔

"ارے بھئی ایسی بھی کیا ناراضی یاسر کو خرچہ تو بھیجنا چاہیے۔ آخر کو بیوی ہو چھوڑا تو نہیں ہے اس نے تم کو۔"

انہوں نے اسے زچ کر دیا۔ بھائی سے نہ جانے کیا کہا کہ ان کا فون آیا۔

"بہتر ہے تم سسرال چلی جاؤ۔ یاسر کو بدگمان نہ کرو۔ وہ تمہیں قبول کر لے گا۔ ورنہ دوسری شادی کے بعد اسے تمہاری کیا ضرورت ہے؟"

ضرورت؟ ارے وہ اس کی محبت تھی۔

شاید چند دن بعد۔۔۔ اس کی بدگمانی دور ہو جائے۔ وہ انتظار کر رہی تھی۔ مگر بھابی کو بے چینی تھی۔

"ارے بھئی ہم بھی بال بچوں والے ہیں۔ ہمارے اپنے اخراجات ہیں۔ چلو تم ویسے آئی ہوتیں۔ تب بھی ٹھیک تھا۔ مگر ان حالات میں یاسر بے خبر تم بھی خالی ہاتھ آگئیں۔ تمہارے زیور بھی کافی تھے۔"

زیور اسے یاد آیا۔ وہ تو اول دن سے ساس کے پاس تھے۔ کبھی ضرورت پڑنے پر ساس لا کر دے دیتی تھیں۔ دو نندوں کی شادیوں میں اس کا زیور بھی انہیں دیا گیا تھا یاسر کی پریشانی رفع کرنے کے لیے اس نے خود ہی دے دیا تھا۔ اب جو بچا کھچا تھا۔ وہ۔۔۔ ساس کے پاس رہ گیا۔ بھابی اسے سسرال جانے پر اکسا رہی تھیں۔

"ارے بابا اب جو بڑا خرچا آنے والا ہے۔ اس کا کیا ہو گا۔ یاسر کی ذمے داری ہے۔ تمہاری سسرال کی ذمے داری ہے۔"

سسرال میں اس کے لیے گنجائش نہ تھی۔ وہ وہاں جا کر مزید ذلت برداشت کرنے کی سکت نہ رکھتی تھی۔ بے مہر، بے مروت لوگ اس نے تو ابھی اپنی کیفیت کا کسی کو بتایا ہی نہیں جب میکے آئی تھی۔ اسے خبر بھی نہ تھی کہ آئندہ اس کے لیے کیا خوشخبری ملنے والی ہے۔ یاسر سے بات نہ ہو سکی۔ آفس سے خبر ملی۔

"وہ اپنی مسز کو لینے گئے ہیں۔"

☼ ☼ ☼

ان ہی دنوں صفیہ آگئی۔ وہ اس کی پرانی دوست تھی۔ اسکول کالج کی ساتھی۔ اس نے آرام سے مشورہ دیا۔

"تم سروس کرو۔ بھابی چاہتی ہیں کہ تم یاسر کے پاس چلی جاؤ۔ یا سسرال۔ یاسر میں اتنی مروت تو ہو گی ہی۔ برسوں کا ساتھ اور اگر وہ دوسری بیگم کو لے آیا۔ تو تمہاری ضرورت نہیں ہو گی اسے۔ مرد بڑا بے مہر ہوتا ہے۔"

صفیہ اپنے تجربے کی روشنی میں اسے بتا رہی تھی۔

"میں اسکول میں پڑھا رہی ہوں۔ میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ماں کے پاس میرے لیے جگہ نہ تھی کیونکہ وہ اپنے بیٹوں کی دست نگر تھیں۔ طلاق کے بعد مجھے مرد کا بھروسا نہیں رہا تھا۔ اب بھائی بھی مجھ سے راضی ہیں اور بھابیاں بھی بے فکر ہیں کسی پر بوجھ نہیں۔ اسکول میں ٹیچر کی جگہ خالی ہے۔ تمہیں اپنے اخراجات اور ضرورتوں کے لیے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑے گا۔ اگر یاسر نے تمہیں بلایا تو پھر کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔ اپنے قدم مضبوط کرو شاہ! جاب کر لو۔"

"میں جاب کر لوں؟ کیسے؟"

"زندہ رہنے کے لیے انسان کو بے شمار چیزوں کی

ضرورت ہوتی ہے۔ صرف ایک کنگھا خریدنے کے لیے بھی تم دوسروں کا منہ دیکھو گی۔ بھابھی تو تمہیں بوجھ سمجھ رہی ہیں۔ یاسر نے اگر تمہیں دل سے نکال دیا ہے تو پھر تمہاری کہیں عزت نہ ہو گی۔ میں اوکاڑہ جاتے ہی تمہاری سروس کے لیے کوشش کروں گی۔ پرنسپل بہت نیک ہیں۔ اور ہم جیسی خوبصورت لڑکیوں پر مہربان بھی ہیں۔ میں خود ہی اپلی کیشن دے دوں گی۔ بس تم روانگی کے لیے تیار رہنا۔"

صفیہ نے بے شمار مثالیں دیں۔ نصیحتیں کیں۔

"کسی پر بھروسہ مت کرو۔ بھابھی تو ابھی سے آنے والے خرچے کا سوچ کر کانپ رہی ہیں۔ کسی کا احسان نہ لو۔ تم پڑھی لکھی محنتی ہو' قسمت خود بناؤ۔ کسی کا آسرا نہ لو۔ عزت چاہتی ہو تو ہاتھ پیر ہلاؤ ثنا! کوئی کسی کا نہیں ہوتا' چند دن یاسر کا انتظار کر لو مگر وقت ضائع نہ کرو۔"

☼ ☼ ☼

بھابھی نے تو اس کا جینا دو بھر کر دیا۔ اب وہ ہر آئے گئے کے سامنے اس کی سسرال میں لڑائی کی کہانیاں سناتیں۔ اپنی بدحالی اور ثنا کی ڈھٹائی کے قصے۔ وہ اپنی نظروں میں خود ہی گر جاتی۔ بھائی کا قیام طویل ہو گیا اور وہ ان سے بات ہی کب کر پاتی۔ بھابھی خود ہی سناتیں۔

"وہ کہہ رہے ہیں ثنا کو سسرال بھیجو۔ بھئی' صاف بات ہے میں ذمے داری نہیں لے سکتی۔ یاسر کے پاس چلی جاؤ۔ وہ گھر سے نکالے گا تو نہیں۔"

اب تو وہ صفائی سے ہر بات کہہ جاتی تھیں۔ اس نے یاسر کو پھر فون کیا۔ غنیمت کہ وہ لائن پر تھا۔

"میں تم سے بات کرنے کا سوچ رہا تھا۔ مگر ابھی میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ دورے پر جا رہا ہوں۔ ایک ہفتے بعد بات کروں گا۔"

عجب خشک کاروباری لہجہ تھا۔ اس نے ثنا کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس کے منہ سے خوش خبری کا لفظ سن کر اس نے تیزی سے کہا۔

"مجھے کسی خوش خبری سے دلچسپی نہیں ہے۔ بہت الجھنوں میں ہوں۔ سن لوں گا واپس آ کر تمہاری جھوٹی کہانی۔"

وہ یک لخت خود کو مردہ محسوس کرنے لگی۔ یاسر کی آواز سن کر جو خوشی ہوئی تھی۔ اس پر کسی نے برف ڈال دی۔ سناٹا سا سناٹا تھا۔ جیسے زندگی کہیں کھو گئی۔ ختم ہو گئی۔ فون بند ہو گیا وہ اپنی جگہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔ اسے لگا جیسے دل بند ہو گیا ہے۔ مگر دل حرکت میں تھا۔ وہ خود بے حرکت ہو گئی تھی۔

ایک ہفتہ' دو ہفتے' انتظار بھی کیا جان لیوا ہوتا ہے۔ نہ جانے یاسر کس ملک کے دورے پر چلا گیا تھا کہ اس کا ہفتہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ دن تھے کہ گزرے جا رہے تھے۔ زناٹ زن۔ بھابھی کی تیوری چڑھی رہتی۔ بھائی نے بھی اس کا حال نہ پوچھا۔ بھابھی نہ جانے کیا کہتی ہوں اور وہ بھی کیا مشورہ دیتے ہوں گے۔ اپنی ذلت' اپنی ذات کی تحقیر کب تک۔

صفیہ کا فون آ گیا۔

"تم فوراً" آ جاؤ۔ جاب ہو گئی ہے۔ یہاں ٹیچرز کی کمی ہے۔ اگر یاسر تمہیں بلائے تو بے شک چلی جانا۔ مگر اب دیر نہ کرو۔"

اس کی طبیعت بھی خراب ہو گئی۔ بھابھی نے اس قدر شور کیا کہ وہ بیگ میں مختصر سامان لے کر چل پڑی۔ اور اب یاسر کے گھر میں تھی۔ اندیشے' تھکن' بے آرامی' بے یقینی' ساتھ ہی دل کو تسلی دیتی یاسر خوش ہوں گے۔ میں ایمن کے ساتھ رہ لوں گی۔ وہ بے ضرر سی ہے اور یاسر کے گھر میں تو بہت کچھ برداشت کر سکتی ہوں میں۔ نہ جانے کب نیند آ گئی اور پھر آنکھ کھل گئی۔ ایمن کچھ شرمندہ سی کھڑی تھی۔

"سوری۔ کھانا کھا لیں پھر بعد میں سو سکتی ہیں۔"

میز پر روٹی' سالن' دال چاول کے پیالے رکھے تھے۔

تم بھی آ جاؤ۔" اس نے ایمن کو دعوت دی۔

وہ کچھ شرمائی: "آپ کھائیں میں بعد میں ان کے ساتھ کھاؤں گی۔"

ثنا کو بھی یاسر کے ساتھ کھانا اچھا لگتا تھا۔ کتنی

بھوک ہو۔ وہ یاسر کا انتظار کرتی تھی۔ وہ پلنگ سے اٹھ کر باتھ روم جانا چاہ رہی تھی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ ایمن دوڑی ہوئی گئی۔ وہ منتظر نظروں سے صحن دیکھتی رہی۔ پھر اس کا دل دھڑکا۔ قدموں کی چاپ۔ یاسر کی آواز کی گنگناہٹ۔۔۔ اور پھر وہ سامنے آیا۔ کنپٹی پر ایک رگ تڑپی۔ وہ تو اس کا سب کچھ تھا۔ جس کے لیے اس نے سفر کیا تھا۔ امید۔۔۔

"تم۔۔۔" اس کے حلق سے غراہٹ نما آواز نکلی۔ "تم یہاں بھی آگئیں۔ کیا کرنے آئی ہو؟ میری زندگی جہنم بنانے؟ تم نے طے کرلیا ہے کہ مجھے چین نہیں لینے دو گی۔ خدا کے واسطے مجھے جینے کا حق دو۔ میں سکون کی تلاش میں ہوں۔ اگر تم نے۔ سنو یہ بات تھی جو میں تم سے کرنا چاہتا تھا۔ اگر میں نے اب تک تم کو کورٹ میں نہیں گھسیٹا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم جب چاہو۔ جیسے چاہو مجھے استعمال کرلو۔ بس اب بہت ہو گیا۔ گئی تو تھیں بھائی کے گھر پھر اب یہاں کیا لینے آئی ہو۔ کوئی نئی کہانی' کوئی نیا ڈرامہ۔ نہیں مجھے کچھ سننا ہے نہ دیکھنا ہے۔ بس تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

وہ بول رہا تھا۔ بولے جا رہا تھا۔ چلتی ٹرین کی طرح۔ بڑی بدلتی گڑگڑاہٹ۔ دھڑدھڑاتی ٹرین وہ ثنا کے فق ہوتے چہرے پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ اس کی آنسوؤں سے لبریز آنکھوں' کانپتے ہوئے جسم اور لرزتی ٹانگوں کی پروا کیے بغیر۔ بولنے کی کوشش کرتے ہوئے ہونٹوں کو کپکپاتے دیکھ رہا تھا۔ اور سرد مہری کی انتہا تھی۔

اسے صرف اپنی ٹرین کی رفتار بڑھانے سے دلچسپی تھی۔ اس کے جذبات' احساسات' اس کی تھکن چہرے سے جھلکتی مایوسی' بے بسی کچھ کہنے کی کوشش میں کپکپاتے ہونٹ۔ آنسوؤں کی بے چارگی۔

وہ کوئی دوسرا یاسر تھا۔ یہ ایک بدلا ہوا مرد تھا۔ وہ اس مرد سے اب تک کیوں ناواقف تھی۔ وہ بغیر کچھ سنے۔ اپنی کہہ کر مڑا اور کمرے سے' اس کے بعد گھر سے ہی چلا گیا۔ ایمن شور کرتی اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"بھئی سن تو لیں۔ ان کی بات تو سن لیں۔ کہاں جا رہے ہیں بھئی سنیے۔۔۔"

مگر وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ ثنا کی فریاد نہ ایمن کی التجا۔ جانے والا جا چکا تھا۔ ثنا کو سانس لینے میں کوئی کسر نہ رہی۔ ذلت۔۔۔ یہ ذلت کی انتہا تھی۔ اور اب اس گھر کی دیواروں میں ثنا کے لیے کچھ تھی نہ عافیت نہ محبت اور وہ تو آئی تھی محبت اور عافیت کی پناہ میں۔ خوشیوں کی تلاش میں۔

اب اسے ایک فیصلہ تو کرنا ہی تھا۔ نفرت' حقارت اور بدگمانی نے ساری امیدیں گل کردیں۔ دو راستے۔ اس نے خاموشی سے بیگ اٹھایا۔ کمرے سے نکل کر صحن میں آئی۔ کچھ دیر پہلے جس طرح آس کے جگنو اور یقین کی رنگ برنگی تتلیوں کی ہمراہی میں داخل ہوئی تھی۔ اسی طرح گھر سے باہر آگئی۔

بیچ صحن میں حیران' افسردہ اور پشیمان ایمن منہ پر ہاتھ رکھے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ اس نے ان تتلیوں کے رنگ اڑتے دیکھے نہ آس کے پرندے کی لاش نظر آئی۔ لیکن ثنا کے قدموں کی تیزی اور زرد رنگ کے چہرے پر مایوسی کے علاوہ حیرانی ضرور دیکھی۔

کمرے میں کھانا ویسے کا ویسا میز پر رکھا تھا۔

جانے والے مڑ کر دیکھتے کیوں نہیں۔ وہ کیا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

پیچھے رہ جانے والوں کے لیے تاسف' شرمندگی' پچھتاوے۔ ایمن کی آنکھیں جل تھل ہو گئیں۔ مہمان بھوکا جا رہا تھا۔ اچانک اس کی بھوک جیسے مر گئی۔

رات کے دس بجے دروازے پر دستک سن کر صفیہ کو گھبراہٹ ضرور ہوئی۔ وارڈن اسکول کے احاطے میں تھے۔ چوکیدار بھی تھا۔ ثنا ہوگی۔ اس وقت اس کے دل نے گواہی دی۔ اور وہی تھی۔ تھکی' بے حال' نڈھال دروازے سے اندر آتے ہی بیگ اس نے زمین پر پھینک دیا اور خود وہاں پڑی ٹوٹی کرسی پر بیٹھ گئی۔ بلکہ گر گئی۔ صفیہ نے اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ محسوس

کرلیا۔

"ارے واہ، بڑے اچھے وقت پر آئی ہو۔ میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا۔"

صفیہ نے بیگ اٹھالیا۔ دروازہ بند کیا اور اس کا ہاتھ پکڑلیا۔

"چلو اٹھو، پہلے کھانا پھر باتیں۔"

کمرے میں ایک پلنگ تھا۔ اس پر ثنا کو بٹھا کر گلاس میں پانی دے کر ایک پیالے میں ہی ہاتھ دھلوائے۔

کھانا بہت لذت دار تھا اور وہ بھوک سے نڈھال تھی۔ کھانا کھا کر وہ اسی جگہ پلنگ پر لیٹ گئی۔ تھکاوٹ انگ انگ میں جم گئی تھی۔ صفیہ بولے جارہی تھی۔ دراصل وہ ثنا کی خاموشی سے گھبرا گئی تھی۔ اور اس کی نقاہت سے پریشان بھی تھی۔

"بس یہی ہے اپنا گھر۔ اپنی جنت۔ ایک کمرہ، ایک برآمدہ وہیں کونے میں آتش دان ہے۔ چولھے کی جگہ صحن میں واش روم ہے۔ ٹھیک ہے گزارا ہی کرنا ہے۔ میں اکیلی ہوں۔ تمہاری وجہ سے خوب رونق ہو گئی ہے۔ ٹرین سے آئی ہو؟"

"بس سے۔ میں پنڈی سے آرہی ہوں۔" اس نے آنے کے بعد پہلا جملہ بولا تھا۔

صفیہ تاسف سے اسے دیکھنے لگی۔ سارا افسانہ اس کے چہرے پر لکھا تھا۔ رحیم یار خان سے پنڈی، پنڈی سے اوکاڑہ۔ بے نتیجہ سفر، مایوس، ناامید۔

"اچھا بہت تھک گئی ہو۔ سو جاؤ۔ کل دوپہر کو تمہیں پرنسپل سے ملانے لے چلوں گی۔ تمہارے پیپرز تیار ہیں سائن کر دینا۔"

اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ گنجائش ہی نہ تھی۔

"تم؟" ثنا نے سوال کیا سونے کے بارے میں۔ بستر کی طرف دیکھا تھا۔ صفیہ ہنس دی۔

"کرلیں گے گزارہ۔ تم آرام سے سو جاؤ۔ میں کنارے پر لیٹ جاؤں گی۔ کروٹ بھی نہیں لوں گی۔ نیند تو سنا ہے سولی پر بھی آجاتی ہے۔ یہ تو پھر بستر ہے۔"

"نہیں۔۔۔ نیچے کچھ بچھا کر سو جاتی ہوں۔" ثنا شرمندہ تھی۔

"ضرورت نہیں ہے۔ کل کچھ انتظام کر لیں گے۔" ثنا اس قدر تھکی ہوئی تھی۔ بھوک اور نیند کی کمی سے نڈھال۔ بستر آرام دہ تھا۔ اسے فوراً نیند آ گئی۔ اس کے سونے کے بعد صفیہ بے آواز کنارے پر لیٹ گئی۔

صبح ثنا کی آنکھ دیر سے کھلی۔ وہ لیٹی رہی۔ نئی جگہ، نئی صبح، عجیب سا احساس ہوا۔ برآمدے میں صفیہ پراٹھا پکارہی تھی۔ خوشبو زبردست تھی۔

"ثنا! آجاؤ ناشتہ تیار ہے۔ چائے دم کر رہی ہوں۔ واش روم صحن میں ہے۔"

ثنا نے برآمدے میں آکر دیکھا۔ صفیہ خاصی مصروف تھی۔ انڈے، پراٹھے، چائے، سب تیار۔

وہ الجھن محسوس کر رہی تھی۔ صفیہ کوئی سوال کیوں نہیں کرتی۔ کیوں نہیں پوچھتی کہ میں پنڈی کیوں گئی تھی۔ صفیہ اس کے اسکول کے زمانے سے دوست تھی۔ پھر کالج میں بھی ساتھ رہی۔ صفیہ کی شادی پہلے ہوئی تھی۔ دو سال بعد وہ طلاق لے کر میکے آ گئی۔ وہ مردوں سے متنفر ہو گئی۔ گو کہ اس کی والدہ برابر اس کو شادی کے لیے اکسا رہی تھیں۔

اس دوران ثنا کی بھی شادی ہو گئی تھی۔ یاسر بہت اچھا تھا۔ چار نندیں، دیور، ساس، سسر، بھرا پرا کنبہ تھا۔ مگر ثنا خوش تھی کہ شریک سفر ہمدرد، محبت کرنے والا ہے۔ گو کہ کبھی کبھی اماں بہنوں کا غلام بھی بن جاتا۔ ثنا سے خفا لیکن ثنا سب کو راضی کر لیتی۔

دو نندوں کی شادیاں اس کے سامنے ہوئی تھیں اور ثنا نے اپنے جہیز کی کتنی ہی چیزیں انہیں دے ڈالی تھیں۔ دیور کو بھی جاب مل گئی۔ سسر کی پنشن آتی تھی۔ گھر اپنا تھا۔ رہن سہن خاصا معیاری۔ بظاہر ثنا کو کوئی تکلیف نہ تھی۔ ساس گھر کی ذمے داریاں اس کے کندھوں پر ڈال کر بے فکر ہو گئیں۔ نندیں فیشن کی بیماری میں مبتلا۔ ان کے گھر نوکر رکھنے کا رواج نہ تھا۔ اس لیے ثنا تو گھن چکر بن گئی تھی۔ سب کو خوش رکھنا اور خود کو خوش ظاہر کرنا بھی ایک فن ہوتا ہے۔ ثنا اس فن میں ماہر ہو گئی۔

چونکہ یاسر اس سے خوش تھا۔ اس کے ہر عمل کو سراہتا تھا۔ محبت کرتا تھا۔ عزت کرتا تھا۔ بلکہ بہنوں بھائیوں سے کرواتا تھا۔ چاہتا تھا کہ اماں بھی اس کے ہر اچھے کام کی تعریف کریں۔ اسے سراہیں۔

"اماں! یہ لڑکیاں اپنے ماں باپ کو بہن بھائیوں کو چھوڑ کر آتی ہیں۔ انہیں سسرال میں محبت اور عزت ملنی چاہیے۔ ورنہ وہ اس نئے گھر میں دل کیسے لگائیں گی۔ میں چاہتا ہوں میری بہنیں بھی ثنا کی طرح اپنی سسرالوں میں مکمل مل جائیں۔ ان لوگوں کی عزت کریں۔ تب ہی ادھر سے بھی بدلے میں اچھا سلوک ہوگا۔"

اماں اس کے سامنے تو ثنا کی تعریف کرلیتی تھیں کبھی کبھار۔ مگر دو سال گزرنے کے بعد انہیں ثنا بہت بری لگنے لگی تھی۔ انہیں پوتا چاہیے تھا اور جب سے ان کی بیٹیوں کے ہاں خوش خبری ملی تھی۔ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ یاسر نے اماں کو بہت سمجھایا کہ یہ قدرت کی طرف سے دیر ہے۔ انسان بے اختیار، بے بس ہے۔ آپ انتظار کرلیں۔"

"نہیں ہوتا اب انتظار لو اور سنو، ہماری لڑکیاں دوسروں کے آنگن میں پھول کھلائیں اور میرا آنگن سونا۔ واہ جی واہ۔ نہیں کرنا اب انتظار مجھے۔"

"تو اماں! پھر کیا کریں۔ ہمارا بس ہی کہاں ہے۔ تقدیر میں ہوگا تو۔۔۔"

"اللہ نے تدبیر بھی تو بتائی ہے۔ ارے دوسری شادی بھی مرد کیا کرتے ہیں کہ نہیں؟ اولاد کے لیے تو کئی کئی شادیاں کرلیتے ہیں۔ اللہ نے نسل بڑھانے کی تاکید کی ہے۔"

"پلیز اماں! ابھی میں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوا۔ لوگوں کے دس دس سال کے بعد اولاد ہوتی ہے۔ آپ ابھی سے ناامید کیوں ہوتی ہیں اور ابھی مجھے کوئی خاص شوق بھی نہیں۔"

"ارے واہ۔ ہمیں تو بہت شوق ہے اور مردوں کو بچہ کھلانے کا شوق کب ہوتا ہے۔ بس وقت پر باپ بن جاتے ہیں۔ شوق اور ارمان عورتوں کو ہوتا ہے۔ بس میں کہے دیتی ہوں۔ تمہاری دوسری شادی کرواں گی۔"

"آپ کا ایک بیٹا اور بھی ہے۔ اس سے اپنے شوق پورے کروالیں۔ مجھے تو بخش دیں۔"

یاسر وہاں سے اٹھ کر اندر آگیا۔ جہاں ثنا تھی۔ اس کی خوشبو تھی۔ محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ ثنا کے سامنے بھی بار بار شادی کا ذکر ہوا۔ تو وہ پریشان ہو گئی۔ ڈاکٹر کے پاس گئی۔ کوئی خاص کمی یا خامی نہ تھی۔ مگر اماں کو ضد ہو گئی تھی اور ان کو جب ضد ہو جائے۔ تو وہ اپنی ہی کر کے رہتی تھیں۔ ثنا جانتی تھی۔ اب تو نندیں بھی اماں کی ہم نوا ہو گئی تھیں۔

یاسر دن بھر تو گھر میں ہوتا نہیں تھا کہ ماں بہنوں کے سلوک کو دیکھتا۔ ان کی تیز تلخ گفتگو سنتا۔ ثنا حتی الامکان شور شرابے سے بچتی تھی۔ وہ یاسر سے کچھ نہ کہتی۔ مگر اس کے چہرے کی تحریر وہ پڑھنا جانتا تھا۔ وہ بھی اس سے اماں کی خواہش چھپا لیتا مگر۔۔۔ دباؤ بڑھتا گیا۔ ثنا انہیں فوری طور پر پوتا نہ دے سکی۔

☼ ☼ ☼

ایمن، اماں کے میکے سے تعلق رکھتی تھی۔ ایک یتیم لڑکی۔ اس کے گھر والوں کو اپنا ممنون احسان بنا کر آخر کار وہ اسے بہو بنا کر لے آئیں۔ ثنا نے بھی رفع شر کی خاطر یاسر کو مجبور کیا تھا۔ گھر کا ماحول کشیدہ ہو رہا تھا۔ اس کی ضرب ثنا پر ہی پڑ رہی تھی۔ اسے یاسر کی محبت پر بھروسہ تھا۔ یاسر پر اعتبار تھا اور اس نے ایمن کے آجانے کے باوجود ثنا کی محبت کا حصار قائم رکھا۔ آخر چار سال اس نے ہی تو ثنا کی خوبیوں سے فیض پایا تھا۔ کس چیز کی کمی تھی ثنا میں۔ صرف ایک اولاد ہی تو نہ تھی اور وہ بھی نہ کبھی ہو ہی جاتی۔ مگر اماں اپنی موت کا کچھ ایسا نقشہ کھینچتی تھیں۔ جیسے ابھی کل ہی ان کا پروگرام مرنے کا ہو۔ یاسر کی اولاد اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہی چین کی نیند آئے گی۔ اور سکون سے مر سکیں گی ورنہ ان کی روح ادھر ادھر منڈلاتی پھرے گی۔

وہ ثنا کو کس جرم کس خطا کی سزا دے۔ اس کا صبر و ضبط گھر کو سمیٹے رکھنے کی کاوش۔ امن و سکون قائم

رکھنا۔ خاموش رہ کر ہر ستم سہنا۔ خدمت، اطاعت، محبت وہ ہر شعبے میں باکمال تھی۔ اپنی خواہشات پس پشت رکھ کر وہ صرف یاسر اور یاسر کے گھر والوں پر مہربان رہی۔ اور اسے کیا انعام دیا اماں نے یاسر نے۔ ثنا کی رگ رگ سے واقف تھا۔ دکھ چھپا کر مسکرانا۔ گالیاں سن کر لاپروا بن جانا یاسر کے لیے گھر کے لیے۔

اور پنڈی جانے سے پہلے اس نے ثنا سے کتنے وعدے کیے تھے۔ تسلیاں دی تھیں۔ وہ گھر لوٹتے ہی ثنا کو لے آئے گا۔ ایمن اماں کی لاڈلی بہو ہے۔

رہے بن کے رہیں۔ تھی منتظر کئی ہفتے۔ مگر سارے خواب بکھر گئے۔

یقین کو ایسی ٹھیس لگی کہ ہر رشتے سے اعتبار اٹھ گیا۔ بھابھی تو اس کے قریب سے اتنی پریشان تھیں جیسے وہ ان کی رابعہ حالی پر قبضہ کرنے آئی ہو۔ یاسر نے سب سے بڑا دھوکا دیا۔ نہ جانے اسے کیا ہو گیا تھا۔ محبت یکایک گرم جوشی۔ اتنے کمزور جذبے تھے کہ لمحوں میں نفرت بیزاری میں بدل گئے۔ اتنی جلد سب کچھ ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ چار سالوں کی قربت تن واحد میں غیریت میں کیسے ڈھل گئی۔

وہ حیران تھی۔ اسے کہاں سے جواب ملتے۔ کب ملے گا۔

اسے آخر اور کیا کیا برداشت کرنا ہے۔ کوئی تو بتا دے اسے۔ کیا اپنی الزام تراشی کے بعد وہ اس کا ایک جملہ سننے کا روادار نہ تھا۔ وہ تو سنتی رہی۔ جو اس نے کہا۔ مگر اب جو ثنا کہنے والی تھی۔ اس کے لیے اس کے پاس ذرا سا بھی وقت نہ تھا۔ آخر کیوں؟ وہ جو اتنا لمبا سفر طے کر کے گئی تھی۔ یہی سب سننے کے لیے؟ اور اس کے بعد کچھ بھی کہنے کے لیے الفاظ ہی گم ہو گئے۔ وہ خود بھی گم ہو گئی۔ اب کہاں تھی وہ؟ کیا حیثیت رہ گئی تھی۔ اس کی کیا مقام تھا اس کا۔

وہ جو خوش خبری لے کر گئی تھی اور اسے یقین تھا۔ اب دنیا کی کوئی طاقت انہیں جدا نہ کر سکے گی۔ چند لفظوں نے اس یقین کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ اسے اپنی نظر میں حقیر کر دیا تھا۔ معلوم نہیں کون سی کمائی سنائی گئی تھی۔ اسے کہ سامنے آ کر اس نے اپنا سارا غصہ انڈیل دیا۔ ثنا کو موقع ہی نہیں ملا۔ نیند سے بے حال، بھوک اور تھکن سے نڈھال ثنا کیوں نظر نہ آئی۔

جتنی بے نیازی یاسر نے دکھائی۔ اتنی ہی عجلت ثنا نے روانگی میں کی۔ شاید وہ صلح کا اختیار کر کے رک جاتی۔ تو آج یہ حالات نہ ہوتے۔ مگر اسے اپنی عزت بہت عزیز تھی۔ اس کے چہرے کی کرختگی، لہجے میں بیگانگی۔ کیسے قبول کرتی۔

اپنی عزت، اپنا وقار چار برسوں کی محبت اور اس کے اظہار نے جو طاقت دی ہوئی تھی، وہ اچانک کمزور اور نقاہت میں تبدیل ہو گئی۔ اسے یہی کرنا چاہیے تھا۔ اس سے بہتر فیصلہ کوئی نہ تھا۔ وہ مطمئن تھی۔

☼ ☼ ☼

اسکول کا رقبہ کافی وسیع تھا۔ عمارت بھی اچھی بنی تھی۔ پرنسپل مہربان، بامروت، تنخواہ زیادہ نہیں مگر اس کی قانع طبیعت نے اسے گوارا کر لیا۔ پرنسپل نے اسے کوارٹر دینے کا وعدہ بھی کر لیا اور تنخواہ بڑھنے کی خوش خبری بھی۔ صفیہ کی نیلام گھر سے ایک سیکنڈ ہینڈ کٹی خرید لائی۔ اس پر بستر لگا کر خود قبضہ جمایا۔ ثنا کو پلنگ دے دیا۔ اس کے بہت انکار اور واویلا پر صفیہ نے سمجھایا۔

"تم کو آرام کی ضرورت ہے۔ یہی پڑے رہو ورنہ تو میں ہی اسپتال کے چکر لگاؤں گی۔ ہڈی کے ٹوٹنے کے امکانات بہت ہیں۔"

وہ اسے اسپتال لے گئی۔ اس کا نام لکھوایا۔ چیک اپ کرایا۔ ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوا میں بھی صفیہ لے آئی۔ "اف کہاں کہاں زیر بار ہوں گی میں۔ کیسے اتاروں گی صفیہ کے احسانات؟"

اسکول میں لڑکیوں کے ساتھ اس کا اچھا وقت گزر جاتا تھا۔ دل لگ گیا تھا۔ تین ہفتے ہوئے ہوں گے کہ ایک دن چپراسی نے ثنا کو فون آنے کا بتایا۔ فون پرنسپل کے آفس میں تھا۔ کمرہ خالی تھا۔ اس نے ریسیور کان

سے لگا دیا۔

"ہاں ہیلو تو نوکری کر لی تم نے؟" یہ یاسر کی آواز تھی۔ لہجہ خاصا اکھڑا ہوا تھا۔ طنز بھرا۔

اس کے چہرے پر خون جمع ہونے لگا۔ "فون کیوں کیا ہے؟" اس نے بھی جواب تو غزل کے طور پر لٹھ چلا دیا۔

"ظاہر ہے۔ تمہاری آواز سننے کا شوق جو ہے مجھے۔" پھر طنز۔

"مجھے معلوم ہے آواز بند کر رہی ہوں۔"

"کیوں میں تم سے کوئی بات نہیں کر سکتا؟"

"یہ چھوٹی جگہ ہے۔ فون پرنسپل کے کمرے میں ہے۔ کسی کو اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"کیا تم نے نوکری کو ہوں لکھوایا ہے نوکری حاصل کرنے کے لیے۔"

طیش آواز سے ظاہر تھا۔ اس نے ریسیور پٹخ دیا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ ضبط کرتے کرتے پلکیں نم ہو گئیں۔ پوچھنے کی نوبت ہی نہ آئی کہ کیوں بات کرنی ہے۔ کیا پہلے کسر رہ گئی تھی۔ ممکن ہے۔ اپنے رویے پر شرمسار ہو۔ معذرت طلب کرنے کے لیے فون کیا ہو۔ لیکن معذرت کرنے والے اس لہجے میں بات نہیں کرتے۔ اس کی آواز سماعت میں کھنک رہی تھی۔

"میں نے ٹھیک کیا۔ اگر یاسر کے لہجے اور الفاظ میں تندی۔ ترشی اور طنز تھا۔ تو میں بھی شعلوں کی زبان میں جواب دوں گی۔ اف وہ چار سال۔ میں نے اپنی ہستی کو فراموش کر کے ان سب گھر والوں کو خوشیاں فراہم کیں۔ خدمت اور سعادت مندی کے جوہر دکھائے۔ یاسر کے لیے گھر کی خاطر مٹا دیا اپنے آپ کو۔ اپنی ذات کو۔ صرف محبت کے لیے' اس گھر میں جگہ بنانے کے لیے۔ کیونکہ مجھے یاسر چاہیے تھا۔ اس کا تعاون اور خوشی۔ دوسری شادی کی تحریری اجازت کس لیے۔ مگر ہوا یہ کہ وہ تو اب بھی مطمئن ہے۔ دربدر تو میں خود ہوئی تھی۔ وہ تو مزے میں ہے نئی بیوی کے ہمراہ۔ اس کی زندگی میں اب ثنا کی جگہ رہی نہ گنجائش پھر فون کیوں؟ اپنی آواز مجھے کیوں سنا رہا تھا۔"

صفیہ۔ اس کی بے چینی دیکھ رہی تھی۔ پوچھ لیا اور اس نے بتا بھی دیا۔

"تو اب پریشانی کس بات کی ہے؟"

"میں نے.... غلط تو نہیں کیا؟ کیا مجھے ان سے پوچھنا نہیں چاہیے تھا؟ کہ.... کیا بات ہے؟"

"انہوں نے تم سے پوچھا تھا؟"

"نہ.... نہیں مگر.... ان کو نمبر کس نے دیا؟"

"بس اب کچھ نہ سوچو۔ بھابھی کو فون کیا ہو گا۔ وہیں سے نمبر ملا اور ان کے پیٹ میں بات کہاں رہتی ہے۔ بلکہ نمک مرچ بھی لگا کر بڑھا کر بتایا ہو گا۔"

"پتا نہیں بھابھی نے اور کیا کہا ہو گا۔" وہ از سر نو پریشان ہوئی۔

"تمہاری بلا سے کہا ہو گا کچھ۔ اور اب اس قصے کو ختم کرو۔ جو تم نہیں کہہ سکیں۔ وہ بھابھی نے کہہ دیا۔ اب اس فکر میں مبتلا نہ ہو جانا۔"

بھابھی نے کیا بتایا ہو گا۔ کیا وہی جو اپنے ملنے والوں سے کہتی تھیں۔ اپنی بے زاری' بے اعتنائی تو نہ بتائی ہو گی۔ صفیہ اسے بہلانے کی کوشش کرتی رہی۔ ثنا بہت مضبوط تھی۔ لیکن حالات نے اسے کمزور بنا دیا تھا۔ وہ ہر قسم کے تاثرات کا جلد اثر لینے لگی۔ سوچتی اور کڑھتی۔ یاسر کے فون نے اسے اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا۔ سن ہی لیتی چند جلے کٹے جملے۔ اتنی بھی انا پرستی اچھی نہیں۔ کچھ دن پہلے تک تو وہ جان سے پیارا زندگی سے عزیز تر تھا۔ کیا ہوا اگر وہ پہلے جاں نثار شوہر' محبوب شریک سفر تھا اور کیا ہوا اگر اب بیزار ہو گیا۔ مرد ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ میرا کبھی اس قسم کے مردوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ تو اچھے برے سب طرح کے تو ہوتے ہیں۔ میرے اندر برداشت نہیں رہی' ٹھیک ہے۔ میں بھی بری عورت بن کر ویسا ہی کروں گی۔ جیسا کہ.... کرنا چاہیے عورت مرد میں برابری ہونا چاہیے۔ اگر عورت مرد کے ساتھ ایثار' محبت اور خدمت کے جذبوں کے ساتھ زندگی کا سفر طے کر سکتی ہے تو مرد کو بھی وہی کرنا چاہیے۔ کم از کم قدردان تو ہو۔ ہمدرد تو ہو۔ دوسروں

کے کہنے میں آ کر اپنی عورت کی ساری وفاداری پر سیاہی تو نہ پھیرے۔

☼ ☼ ☼

ابھی یاسر کا فون ہی ذہن پر سوار تھا کہ اس دن بھابھی کا فون آگیا۔

"کیسی ہو؟ تمہارے بھائی تو لندن سے جکارتہ چلے گئے ہیں۔ میں نے انہیں بتا دیا ہے کہ تم پنڈی گئی تھیں۔ مگر اب اوکاڑے میں ہو پریشان ہو گئے۔ میں نے تسلی دے دی ہے۔ اچھا ہاں یاسر کا فون آیا تھا۔ تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسکول کا نمبر بتا دیا۔ کیا تو ہو گا تم کو فون؟"

"نہیں؟ اچھا؟"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ تم کو بلانے کا کہا ہو گا۔ اب غصہ تھوک دو ثنا! اگر وہ تمہیں لینے آئے۔ چلی جانا۔ شوہر کا گھر ہی عورت کی پناہ گاہ ہوتا ہے۔"

"بھابھی نے تحقیق کے لیے فون کیا تھا۔ اب سے پہلے تو کبھی نہیں خیریت پوچھی اور یاسر نے بھابھی کو فون کیوں کیا۔ میں مروں کہ جیوں یاسر کو کیا تکلیف ہے۔ اگر انہیں ذرا بھی میرا خیال ہوتا۔ میری شکل دیکھتے ہی زہر اگل کر بھاگ نہ جاتے۔"

"تم نے پھر دودھ نہیں پیا آج۔ ثنا! کیوں دشمنی کر رہی ہو اپنے ساتھ۔ اپنا نہیں تو میرا ہی خیال کرو جو میں تمہارے لیے کھپ رہی ہوں۔ تو تم کون سا انعام دو گی مجھے۔ اٹھاؤ گلاس۔ شاباش۔" صفیہ تو دادی بن کر اس کا خیال رکھ رہی تھی۔ ثنا شرمندہ ہو جاتی۔

"اور یہ سیب تین دن سے پڑے ہیں۔ کھاؤ گی نہیں تو طاقت کہاں سے آئے گی۔ اس ننھی جان پر رحم کرو۔"

"کب تک کھاؤں؟" وہ اداس ہو گئی۔

"دنیا کو دکھا دو کہ اکیلی عورت کتنی مضبوط ہوتی ہے۔ اسے کسی خود غرض مرد کے سہارے کے بغیر جینا آتا ہے۔ صرف اللہ سے مدد مانگو۔ وہی سب کو دیتا ہے۔ وہی ساری مصیبتیں دور کرتا ہے۔"

صفیہ بھی اگر نہ ہوتی تو ثنا کہاں جاتی۔ اللہ تعالیٰ کس کس طرح مدد کرتا ہے۔ اب ثنا کو ایک اور پریشانی لاحق ہو گئی۔ اس ننھی سی جان کا کیا ہو گا۔ کوئی ولی وارث ہو گا بھی کہ نہیں۔ میں کس کو اس کا وارث بناؤں گی۔ صفیہ بھی کب تک میری دیکھ بھال کرے گی۔ بچاری مجھے آسرا دے کر پچھتائے گی کہ کس مصیبت سے پالا پڑا ہے۔ اس نے تو بہادری کے ساتھ ہر مشکل کا مقابلہ کیا ہے۔ میرا بوجھ آخر کتنے دن اٹھائے گی۔" صفیہ پر اس کے ان خیالات کا اظہار ہوا۔ تو وہ بگڑی نہ جھگڑی۔ بلکہ اس نے ثنا کے بازوؤں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ پھر نرمی سے بولی۔

"ثنا! مجھے معلوم ہے تم کس مشکل سے دوچار ہو۔ ایسی بے یقینی کی کیفیت میں برے خیالات ہی ذہن میں آتے ہیں۔ میں بھی اس دور سے گزر چکی ہوں جب مجھے آس پاس آگے پیچھے اندھیرے کے بھوت ہی نظر آتے تھے۔ میں سب کے لیے بلا بن گئی تھی۔ ہر کوئی مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ پھر اماں نے میری ہمت بندھائی۔ ہر مایوس ذہن کے آس پاس کوئی ناصح کوئی ہمدرد ہستی ہوتی ہے۔ کوئی خضر راہ نما۔ جو مدد کے ساتھ راستہ دکھاتا ہے۔ اندھیرے میں روشنی کے چراغ جلاتا ہے۔ میرے پاس اماں تھیں۔ میں نے ہمت کی۔ میں جو کبھی اکیلی گھر سے نکلتی نہ تھی۔ تن تنہا دوسرے شہر آئی۔ پھر میں کسی پر بوجھ نہ رہی جن کا کوئی مددگار نہ ہو۔ اللہ ان کی مدد خود کرتا ہے۔ تم نے ہمت کی ہے۔ مرد کے مقابلے میں آئی ہو رو رو کر خوشامدیں نہیں کی ہیں۔ اپنی تحقیر کرنے والے کو للکارا ہے۔ تم نے کوئی غلط 'ناجائز' کام نہیں کیا۔ پھر کوئی ڈر نہیں۔ مجھے یقین ہے تمہاری خوشیوں کے دن آنے والے ہیں۔ اللہ پر بھروسہ کرو ثنا۔"

"اللہ پر ہی بھروسا ہے صفیہ! مگر سوچتی ہوں۔ دنیا میں بھی کوئی مضبوط رشتہ تو ہونا چاہیے۔ بچے کو باپ کا نام 'عورت کو سائبان۔ ورنہ دنیا والے زندہ نہیں رہنے دیتے۔"

"میرے ساتھ نہ بچہ ہے۔ نہ شوہر کا سائبان۔ پھر

بھی زندہ ہوں، خوش ہوں۔ سچائی کی طاقت ساتھ ہو۔ کردار کی مضبوطی ہو۔ پھر کوئی ہمت نہیں کر سکتا۔"

صفیہ یکایک آگ بگولا ہو گئی۔ "مجال ہے کسی کی کہ انگلی اٹھا سکے۔ تو زندہ ہوں اس کا ہاتھ اور تم کیسے شوہر کو مضبوطی کہہ سکتی ہو۔ ناپائدار رشتہ' چند روزہ مضبوطی ہے۔"

"صفیہ! آخر ہمارے تمہارے والدین اسی مضبوط ڈوری سے بندھے رہے آخر تک۔ سب کی قسمت الگ ہوتی ہے۔ تمہارے ساتھ واقعی بہت برا ہوا۔"

"اور تمہارے ساتھ؟" صفیہ طنزاً" مسکرائی۔ "تمہاری وہ محنت گھر بنانے کی۔ سسرالیوں کی خدمت' چار سال کی محبت۔ سب رائیگاں گئی اور وہ نئی بیوی پا کر تمہارے ایثار' قربانیوں اور مشقتوں کو فراموش کر کے اپنا جہان بسانے دور چلا گیا۔ ہمارے تمہارے والدین کا زمانہ اور تھا۔ خاندان کی اہمیت تھی۔ بزرگوں کا احترام تھا۔ ایک دوسرے کا احساس تھا۔ اب نہ احساس رہا نہ مروت نہ ہی بے غرض چاہت۔ اب شادیاں سمجھوتے کے تحت چلتی ہیں اور کبھی ایک فریق اگر اکڑ گیا تو سمجھوتے کی گاڑی رک جاتی ہے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ..... ان کی اماں نے کوئی ایسی پٹی پڑھا دی ہے۔ جو میرے خلاف ہو گئے۔ وہ ہمیشہ میری حمایت کرتے تھے صفیہ! اماں کے سامنے بھی۔ پہلے وہ ایسے نہ تھے۔"

"تم سامنے تھیں۔ تو حمایت کرتے تھے۔ تم نظر سے اوجھل ہوئیں۔ اور سب ختم۔ تم کو چاہیے تھا۔ جب فون آیا اسے بتاتیں۔ مگر تم نے بھی انا کی ڈوری کو تھام رکھا تھا اور اب..... جبکہ تم نے کچھ نہیں بتایا تو اب بھی خاموش رہو۔ کچھ نہ بتاؤ۔ بعد میں اسے علم ہو ہی جائے گا۔ اسے شرمندہ ہونے دو۔"

"پھر' پھر کیا ہو گا۔ صفیہ! یہ بات بھی میرے خلاف جائے گی۔"

"کیوں ڈرتی ہو۔ ایسے بے رحم' خود غرض مردوں کو تو خوب سزا ملنی چاہیے۔ تمہارے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ اس نے تم سے کچھ پوچھا۔ نہ تمہاری بات سنی۔

تم اس کے گھر گئیں۔ اس نے تمہیں ذلیل کیا۔ اس کے دل میں تمہارے لیے جگہ ہی نہیں زبردستی سے کیا پٹے گا۔ تمہارا پلڑا بھاری ہے۔" صفیہ کو مردوں سے سخت چڑ تھی۔

"اور اسے معلوم ہو ہی جائے گا بھابھی کے بِن ہے۔ اچھا ہے اسے تڑپنے دو۔ اولاد چیز ہی ایسی۔ دماغ درست ہو جائے گا۔ پھر تمہارے پیچھے پھرے گا خوشامد کرتا ہوا۔"

"اور اگر خفا ہو گئے اور مصیبت۔"

"اچھا۔ تمہارے خیال میں وہ اب خفا نہیں؟ ساری جھکی ناک کے رستے نکل جائے گی۔"

"میرا بھلا کیا فائدہ ہے۔ ان کے خیال میں تو میں نے ان کی زندگی جہنم بنا دی ہے اور وہ سوچنے لگی۔ کس طرح یاسر کی زندگی ثنا کی وجہ سے جہنم بنی ہوئی۔ مگر کہیں کوئی نشان نہ ملا۔

کیا روزانہ صبح سویرے اٹھا کر سب کے لیے چائے بنا کر دیتا۔ ناشتہ تیار کرتا۔ دوپہر کو سب کے لیے کھانا پکاتا۔ میز لگاتا' کھانا ختم ہونے کے بعد برتن دھوتا۔ لڑکیاں تو مزے سے مہمان کی طرح اٹھ جاتی تھیں۔ کسی کام میں ہاتھ نہ لگاتیں۔ پھر شام کی چائے تیار کر کے سب کو بلاتا۔ چائے کے بعد رات کا کھانا پکاتا۔ گھر کی صبح صفائی ہوتی۔ دوپہر میں کپڑوں کی دھلائی۔ مہمانوں کے سامنے اسے ہی لوازمات کی ٹرے لے کر آنا۔ یاسر کی وقت بے وقت چائے کی مانگ۔ ساس کی فرمائش پر خصوصی ڈش تیار کرنا۔ ساس سسر کے کپڑوں پر استری کرنا۔

سب کچھ ثنا کی ذمہ داری تھی پھر اس نے کس وقت کس طرح اس کی زندگی جہنم بنائی۔ سوچنے پر بھی یاد نہ آیا البتہ آنکھیں برسنے لگیں۔ بے وقعتی پر۔

☆ ☆ ☆

رات کو صفیہ کی اماں آ گئیں۔ کمرہ مختصر تھا۔ صفیہ نے اپنی سیٹ اماں کو بخش دی۔ خود ثنا کے ساتھ سو گئی۔ صفیہ۔ ہر کام میں آسانی تلاش کر لیتی تھی۔ اس کے لیے

کوئی مسئلہ مشکل نہ ہوتا اور اسی لیے وہ خوش رہتی تھی اور سب کو خوش رکھتی تھی۔

صبح ثنا نے پرنسپل سے کوارٹر کا ذکر کیا۔ کوارٹر تو تھا۔ مگر اس کی حالت خراب تھی۔ خاصا مرمت طلب تھا۔ فرش اکھڑا ہوا' بے رنگ دیواریں۔ چھت بارش کے زمانے میں ٹپکتی تھی۔ فی الحال وہ کوارٹر پرانے سامان ٹوٹے پھوٹے فرنیچر کا اسٹور بنا ہوا تھا۔

صفیہ نے پرنسپل کی اجازت سے چپراسی اور گارڈ کو لے کر کمرہ خالی کرایا۔ ٹوٹا پھوٹا سامان فروخت کیا۔ اسی رقم سے چھت کی مرمت کروائی۔ سفیدی کروائی۔ ٹوٹے اکھڑے فرش پر ایک سیکنڈ ہینڈ قالین کا ٹوٹا ڈال دیا۔ ایک پلنگ ثنا نے منگوالیا۔ دری اور چادر کا سیٹ بھی لینا پڑا۔

اب تک صفیہ کے ساتھ تھی تو ہر چیز اسی کی استعمال کر رہی تھی۔ اب یہ فکر کہ اس کھنڈر نما گھر میں اکیلی کیسے رہے گی۔

کوارٹر قابل رہائش ہو گیا تھا۔ مگر زندہ رہنے کے لیے بے شمار چیزیں درکار تھیں۔ پکانے کے برتن' کھانے کے برتن' اوڑھنے کی چادر' بچھانے کی چادر' رضائی' تکیہ۔ ثنا کے جہیز کے شنیل کے لحاف۔ شنیل کی بیڈ شیٹ۔ بیڈ کورز' سب سسرال میں رہ گئے وہ تو یوں خالی ہاتھ آئی جیسے ڈاکوؤں کے ہاتھوں لٹ گئی ہو اور درحقیقت وہ ڈاکوؤں کے ہاتھوں لٹ کر ہی آئی تھی۔ ورنہ۔

اور جب اگلے دن اسے کوارٹر آباد کرنا تھا۔ تو اس کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اس بے کسی کے وقت اسے اپنے بہت یاد آئے۔ بھابھی' یاسر' کوئی تو ہوتا۔ مگر صفیہ اور اماں اس کے ساتھ اسپتال آئیں۔ غیروں نے اپنوں کی یاد بھلادی۔

اماں رات کو اس کے پاس رہ گئیں۔ صفیہ چلی گئی۔ اماں آیتیں پڑھ پڑھ کر پھونکتی رہیں۔ کمر سہلاتیں تو کبھی حوصلہ بڑھاتیں' تسلیاں دیتیں۔ اللہ کو یاد کرنے کی تلقین کرتیں۔ کڑا وقت تھا۔ سخت آزمائش۔ اس نے تو اب آنسو بہانے چھوڑ دیے تھے۔ مگر اس رات وہ بہت روئی۔ نرسیں' ڈاکٹرز ہر تجربشن ہلچل تھی۔ پھر صبح فجر کے وقت اسے ایک باریک سی ننھی منی چیخ کی آواز آئی۔ خوشی کی نوید' زندگی کی لہر' جینے کی خواہش اس کو اپنا پورا وجود مسرت کے سمندر میں تیرتا ہوا محسوس ہوا۔ ڈاکٹرز اور نرسوں نے مبارک باد دی۔ اماں نے بچے کے کپڑے دیتے ہوئے بے شمار دعاؤں سے نوازا۔ سورج کی روشنی میں اس نے اپنے لخت جگر کو دیکھا۔ خوشی اور غم کے تاثرات نے چہرے پر روشنی پھیلا دی تھی۔ گل رنگ اجالا۔ صفیہ ناشتہ لائی۔ تو اشتیاق اور خوشی کی چیخ کے ساتھ آگے بڑھ کر بچے کو تھام لیا۔

"لگتا ہے' باپ پر پڑے ہیں موصوف۔ تمہاری تو چھینٹ تک نہیں پڑی۔ خیال کرنا۔ ان جیسے بے رحم اور خود غرض نہ ہوں۔"

وہ خوش تھی۔ ہنس رہی تھی۔ مبارک باد دے رہی تھی۔ وہ اس کی کون تھی۔ نہ وہ اس کا یاسر تھی۔ نہ اس کا بھائی نہ بھابھی۔ مگر اس وقت وہی اس کی سب کچھ تھی۔ اس کے کتنے احسانات تھے۔ جن کو وہ کبھی اتار نہیں سکتی تھی۔ صرف تشکر کے آنسو تھے جن کے ذریعے خراج پیش کر رہی تھی۔

صفیہ نے اسکول جا کر سب کو نئی خبر سنائی۔ شام کو تمام ٹیچرز ہاسپٹل آئیں بچے کے لیے کھلونے۔ کپڑے بعض ڈرائی فروٹ اور کچھ پھل لے آئیں۔ صفیہ کی اماں نے مٹھائی منگا کر سب کا منہ میٹھا کروایا۔ صفیہ نے بھابھی کو فون کر کے بتا دیا۔ ثنا عجیب ہیجانی کیفیت میں تھی۔ اسے سب یاد آرہے تھے۔

دل میں سب سے شکوے بھی کر رہی تھی۔ کبھی خود کو مجرم گردانتی۔ کبھی یاسر پر الزام رکھتی۔ کبھی قسمت پر۔ پھر گرم دودھ اور ڈبل روٹی کھا کر بچے کو فیڈ کروا کر جو بے سدھ سوئی تو شام کی خبر لائی۔ دیکھا کہ اماں اونگھ رہی ہیں۔ بے چاری رات بھر جاگی تھیں۔ ثنا نے بہ منت ان سے کہا۔ "آپ میرے ساتھ ہی لیٹ جائیں۔" (صفیہ بھی یہی کرتی) چنانچہ بڑی بی ثنا کے ساتھ ہی آکر لیٹ گئیں۔ اور فوراً" سو گئیں۔

پاس گزرتی ہوئی نرسیں ان کو دیکھ دیکھ کر ہنستیں۔

اگلے دن وہ ہاسپٹل سے گھر آ گئی۔ صفیہ نے اس کے کوارٹر کی دیواروں پر تصویریں لگا کر۔ نقلی پھول سجا کر خاصا دلکش بنا دیا تھا۔ اپنے کوارٹر پہنچ کر ایک اور خیال رہ رہ کر افسردہ کرتا رہا۔ پانچ سال بعد ہونے والی اولاد کی پذیرائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بچے کی دادی' پھوپھی۔ حتی کہ باپ تک۔ کوئی خالہ 'ماموں نہیں۔ صفیہ نے ہی سب کی کمی دور کی۔ رات کو صفیہ اس کے ساتھ رہی۔

صفیہ کے ساتھ اس کی نصیحتوں کو صرف سننا نہیں عمل بھی کرنا پڑتا ہے۔ یہ اتنے عرصے میں وہ خوب سمجھ گئی تھی۔ صبح کو ناشتہ سامنے رکھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"اب تمہیں جلد سے جلد صحت مند ہونا ہے۔ تاکہ بچے کی پرورش بھی کرو اور اسکول کی ذمے داری بھی پوری کرو۔ انڈا' دودھ شہد یہ ناشتے میں ضروری ہے۔ دوا سمجھ کر استعمال کرنا ہے۔ جب بھوک لگے۔ بادام کھا لیا کرو اور فروٹ بھی۔"

اس نے بہت سا فروٹ سامنے رکھا۔ پھر تیار ہو کر اسکول چلی گئی۔ عجلت میں جاتے ہوئے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بخار چیک کرنا اسے یاد نہ رہا۔ شاید نقاہت کا دورہ پڑ گیا۔ سستی اور بیزاری۔ سوچ سوچ کر سر بھاری ہو گیا۔ آج چار دن اسے گھر آئے ہو گئے تھے۔ بھابھی کا مبارک باد کا کارڈ آیا اور بس۔ انہوں نے یاسر کو بھی کارڈ بھیجا ہو گا۔ پتہ نہیں یاسر۔ بس اس کے بعد اس کا ذہن سو گیا۔ بخار تیز ہو گیا۔ اسے اپنا ہوش رہا نہ بچے کا۔ اور ابھی صفیہ کے آنے میں کافی دیر تھی۔

✡ ✡ ✡

پرنسپل نے آنے والے وجیہہ نوجوان کو سر سے پیر تک دیکھا اور کچھ سوچ کر بولیں "ویسے تو ہم بغیر تحقیق کے کسی بھی ٹیچر کو کسی وزیٹر سے ملنے کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن چونکہ میں اس لڑکی ثنا کے حالات سے کچھ واقف ہوں۔ اور آپ کی شکل دیکھ کر یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ اس کے شوہر ہو سکتے ہیں۔ وجہ یہ کہ۔۔۔ اس کا بچہ بالکل آپ کی کاپی ہے۔"

انہوں نے چپراسی کو بلا کر یاسر کے ساتھ بھیجا۔

"جاؤ مسز ثنا کا کوارٹر صاحب کو بتاؤ اور ان سے پوچھ لینا۔ کوئی کام تو نہیں۔" پرنسپل نے یاسر کا شناختی کارڈ اسے دیتے ہوئے چپراسی کے ساتھ جانے کا اشارہ کیا۔

چپراسی ثنا کے کوارٹر تک اسے لایا۔ یاسر نے شکریے کے ساتھ اسے واپس بھیج دیا۔ لائن سے تمام کوارٹر بنے ہوئے تھے۔ اسکول کی پشت پر شاید اور بھی کوارٹر تھے۔ ان میں ایک یقیناً" پرنسپل کا بھی ہو گا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کسی مہمان کا منتظر۔ وہ اندر آ گیا۔ چھوٹا سا صحن تھا۔ پھر ایک برآمدہ۔ برآمدے کے کونے میں چولہا رکھا تھا۔ آتش دان بنا ہوا تھا۔ یہ یہاں کا کچن تھا۔ فی الحال یہاں کوئی برتن نہ تھا۔ بظاہر صاف ستھرا گھر تھا۔ چھوٹا سا کمرے کا دروازہ بھی ادھ کھلا تھا۔

وہ اندر آ گیا۔ سب سے پہلے تو سیلن کی بو نے استقبال کیا۔ ٹوٹا پھوٹا فرش جو دہلیز سے ہی اپنی بے قدری کی کہانی سنا رہا تھا۔ کھردرے سیمنٹ کا فرش جسے قالین سے چھپانے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ تپائی پر غالباً" صبح کا ناشتہ جوں کا توں رکھا تھا۔ پلنگ پر چادر لپیٹے ثنا بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے پہلو میں بچہ بھی آرام سے سو رہا تھا۔ یاسر نے وفور شوق میں کپڑا ہٹا کر شکل دیکھنی چاہی۔ سیاہ بالوں سے بھرا سر۔ چوڑی پیشانی۔ لمبی پلکوں والی آنکھیں۔ یقیناً" اس کی اپنی جیسی ہوں گی۔ چند لمحے وہ بغور اسے دیکھتا رہا۔ فخریہ۔ پھر اسے ایک ملال نے گھیر لیا۔ کیا یہ بچہ۔۔۔ اس پرانے سیلن زدہ 'کھنڈر نما مکان۔ معمولی بستر میں رہنے کے لیے تھا۔ میرا بچہ اور یہ بیمار فضا۔ یہاں تو بڑے بیمار ہو سکتے ہیں۔ یہ تو پھر بچہ ہے۔ اور اس کی وجہ اس کی ماں کی ضد اور ہٹ دھرمی۔ میں اسے کیا سزا دوں۔ اس نے بچے پر ہی نہیں خود پر بلکہ مجھ پر بھی ظلم کیا ہے۔ اس کی یہی سزا ہے۔ رہے اسی پھٹیچر جگہ۔ پالے خود ہی بچے کو

اسی بیمار فضا میں اور اگر اس بچے کو کچھ ہوا تو میں ایسی سخت سزا دوں گا۔ ایسی سخت کہ یہ زندگی بھر روتی رہے گی۔ مجھے بے خبر رکھ کر کون سا انعام حاصل کیا۔ کس بات پر ضد کے پہاڑ کھڑے کرلیے۔ اتنی سنگ دلی اختیار کی۔

یہ عورت نہیں پتھر ہے۔ ٹھیک ہے، جو چاہتی ہے کرتی رہے۔ اگر ناتا توڑنا چاہے گی۔ میری محبت کو آزمانا چاہے گی تو میں ضرور پوری کروں گا۔ میں نے اس سے محبت کی تھی۔ میرا ذرا سا غصہ برداشت نہ کر سکی۔ اسے اپنا خیال آیا نہ بچے کا نہ میرا تو پھر مجھے بھی اس کا خیال کیوں ہو۔

جلتا بھنتا غصے میں کھولتا۔ وہ کمرے سے نکلا۔ گھر کے دروازے پر ذرا رکا پھر گیٹ سے باہر آکر اسٹیشن کی راہ لی۔

صفیہ دوپہر کو آئی پہلے اپنے گھر گئی۔ اماں نے جو ثنا کے لیے کھانا پکا کر رکھا تھا۔ وہ اور اپنا کھانا لے کر ثنا کی طرف آئی۔ دروازہ کھلا ہوا ملا اور ایک کواڑ پر چھوٹا سا کارٹون بھی۔ صبح تو یہاں کچھ نہ تھا یہ کارٹون کون بنا گیا۔ اندر آئی۔ تو بچے کے رونے کی آواز۔ میز پر صبح کا ناشتہ جوں کا توں رکھا تھا۔

ثنا بخار میں بھن رہی تھی۔ سر پر ہاتھ مار کر وہ صحن میں آئی۔ اسکول کی ماسی کو بلوایا۔ وہ آئی تو بچے کو اس کے حوالے کیا۔ تاکہ اس کے کپڑے بدل دے۔ خود ثنا کو ہوشیار کرنے کی کوشش کی۔

ماسی کے ساتھ مل کر اسے اٹھایا' منہ ہاتھ دھلایا' زبردستی دودھ پلایا۔ بخار کی دوا موجود تھی۔ وہ کھلائی۔ بھرپور ناشتہ کسی طرح اس کے 'نا' کرنے کے باوجود کھلا دیا۔ سرزنش کرنا بیکار تھا۔ وہ تیز بخار میں بے سدھ ہو رہی تھی۔ بچے کو اس کی گود میں دیا۔ بچے کی بھوک مٹی تو ٹھنڈے پانی کی پٹیوں سے ثنا کا ماتھا گردن' چہرہ' بازو خوب گیلے کیے۔ بار بار کے عمل سے آخر بخار کچھ اعتدال پر آیا۔ اب اس نے ہر طرف کھوجی نظروں سے جائزہ لیا۔ نہ تو زبان سے ثنا نے کچھ بتایا نہ گھر میں آثار ہی ملے۔ مگر پرنسپل نے خود یاسر کی آمد

چپراسی کے ساتھ گھر بھیجنا بتایا تھا۔

چپراسی کو بلوا کر اس نے تصدیق چاہی۔ بچہ کہاں گیا؟ ثنا کو جگایا نہیں گیا۔ کوئی بات تو ضرور تھی بچے کو اٹھایا تک نہ تھا جبکہ جیسا صفیہ اسے چھوڑ گئی تھی۔ اسی پوزیشن میں بچہ لیٹا ہوا ملا تھا۔ آخر یہ راز کیا ہے۔ یاسر گیا کہاں۔ گھر تک پہنچنے کے بعد اور یہ تو ظاہر تھا کہ ثنا بخار میں مدہوش تھی۔ یاسر کو ثنا کو جگانے ہوش میں آنے تک انتظار کرنا چاہیے تھا۔ سفر کرکے آنے کا مقصد کیا تھا؟ اس نے فیصلہ کیا کہ یاسر سے خود بات کرے۔ لیکن ممکن ہے وہ سفر میں ہو۔ چلو کل سہی۔

☼ ☼ ☼

کئی دن کے بعد اسے، جونہی موقع ملا۔ اس نے یاسر کے آفس کا فون ملایا۔ اس نے یاسر کی آواز سن کر بے دھڑک بات کی۔ سلام اور تعارف کے فوراً بعد۔

"سنا ہے آپ کو اپنے والد بننے کی خبر مل گئی ہے۔ اور یہ بھی سنا کہ آپ بیٹے کو دیکھنے آئے بھی تھے۔ مگر پھر کہاں غائب ہو گئے؟ ثنا سے تو ملاقات ہوئی نہیں آپ آخر کیا کرنے آئے تھے؟"

"کارٹون بنانے۔ غالباً آپ نے دروازے پر دیکھ لیا ہو گا۔" وہ جل بھن کر بولا۔ صفیہ کو دروازے پر بنا کارٹون یاد آگیا" اوہ... تو آپ تھے اس کارٹون کے خالق... اپنی تصویر چھوڑ گئے ماشاء اللہ۔"

"ایسا ہی سمجھ لیں..." وہ پھر چڑ کر بولا۔

"پوچھ سکتی ہوں۔ ثنا سے نہ ملنے کی کیا وجہ تھی؟"

"دیکھیے... یہ میرا گھریلو معاملہ ہے۔ میں اس پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"مگر میں یہ معلوم کرنے میں حق بجانب ہوں کہ آخر آپ کا مائنڈ تبدیل کیوں ہو گیا۔ آنے کے بعد واپسی؟"

"میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔"

"بہت خوشی ہوئی یہ سن کر۔ شاید آپ بھول گئے کہ آپ تنہا نہیں ہیں۔ آپ کے ساتھ کئی وجود ہیں۔

جن پر آپ کی مرضی کے کیے ہوئے عمل کی زد پڑتی ہے اور اب تک آپ نے اپنی مرضی کے مطابق ہی سب کچھ کیا ہے۔ آپ ہی کیا آپ کے تمام گھر والے دوسروں کی زندگی سے "مری مرضی" کے مطابق کھیلتے رہے ہیں۔ آپ نے اپنی مرضی سے شادی کر لی دوسری پہلی کے جذبات سے کھیل کر۔ آپ کی والدہ نے اس کی زندگی دوبھر کردی اپنی مرضی کے مطابق۔ آپ نے دوسری بیوی کو اپنے پاس بلالیا۔ آپ کی والدہ نے اسے گھر سے نکال دیا' یہ کہہ کر کہ اب یاسر کو تمہاری ضرورت نہیں رہی۔ اس کی بیوی اس کے پاس ہے۔ یہ ان کی مرضی تھی۔ وہ اپنا مقدمہ لے کر آپ کے گھر گئی تو آپ نے اپنی مرضی استعمال کی۔ اسے گھر سے نکل جانے پر مجبور کردیا۔"

"یہ۔۔۔ میرا مطلب نہ تھا۔" یاسر گھبرایا مجھے غصہ تھا۔"

"آپ کی مرضی تو تھی۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ آپ کے ساتھ چار سال خاموشی اور صبر سے گزارنے والی آپ کی بیوی پر آپ کے گھر والوں نے کون کون سے حربے آزمائے اور میرا خیال ہے اسے گھر سے نکلنے کے بعد آپ کو بھی اس سے متنفر کرنے کی من گھڑت کہانی ہی سنائی ہوگی۔ جبکہ آپ کا دعوا تو یہ تھا کہ آپ ثنا کی رگ رگ سے واقف ہیں۔ تو اس سے متنفر ہونے میں آپ کو شاید چار منٹ لگے۔ غصہ آپ کر سکتے ہیں۔ دوسرے کو مرضی کی اجازت' نہ غصہ کرنے کی۔ آپ نے ثنا کے رحیم یار خان جانے کا سنا اور آگ بگولہ ہو کر اس کی بھابھی کو فون کردیا۔ آپ ثنا سے بات کرتے۔ وہ اپنی وہاں آنے کی وجہ بتاتی۔ مگر آپ لوگ عورت کو اس کا حق دینا جانتے ہی نہیں۔ جو شکایت تھی وہ ثنا سے تھی۔ اسے تو آپ نے کچھ کہنے کے قابل چھوڑا ہی نہیں۔ بھابھی نے اسے آپ کے قہر بھرے بیان سنا کر ادھ موا کردیا۔ کیوں؟ کیا لڑکی کو میکے جانے کی اجازت نہیں دیتے آپ؟"

"وہ۔۔۔ وہ مجھے اطلاع دیے بغیر۔۔۔ آخر کیوں چلی گئی۔ میں نے کہا تھا کہ مکان ملتے ہی تم کو لے جاؤں گا۔"

"آپ کو اطلاع کیسے دیتی۔ آپ کی والدہ نے اسے موقع نہیں دیا اور نکال باہر کیا۔ بھائی کے گھر نہ جاتی۔ تو کہاں جاتی۔ پھر آپ نے اپنے غصے کا اظہار کر کے وہاں بھی نہیں رہنے دیا۔ آپ کے پاس گئی کہ غلط فہمی دور ہو جائے اور وہ جس کنڈیشن میں ہے۔ اس کی خبر بھی آپ کو ہو جائے۔ سچ بتائیے۔ آپ نے اسے کچھ کہنے کا موقع دیا؟ اسے جہنم کی زندگی کا الزام دے کر ایک لحاظ سے نفرت کا اظہار کیا۔ رات کے بارہ بجے جب وہ میرے پاس پہنچی ہے۔ رحیم یار خان سے پنڈی۔ پنڈی سے اوکاڑے۔ آپ سوچ نہیں سکتے۔ بھوک' مایوسی' غم' تکان اتنے حملے اس پر ہوئے' وہ نیم مردہ حالت میں تھی۔ سب سے بڑھ کر آپ پر اعتماد کا ریزہ ریزہ ہونا تھا۔ آپ اپنے رویے پر غور کریں۔ کیا ثنا اس رویے کی مستحق تھی؟ چار سال ہنسی خوشی زندگی جس کے ساتھ گزار دی۔ اس نے ایک ہی وار میں اس کے اعتماد محبت اور یقین کو قتل کردیا۔"

"میں۔۔۔ میں نے یہ کب کہا کہ وہ واپس چلی جائے۔ وہ ضد میں چلی گئی۔"

"ضد۔۔۔ آپ خودداری کو ضد کہتے ہیں۔ عورت کی انا کو ضد کہتے ہیں۔ واہ رے آپ کے خیالات۔ آپ نے چار سالہ بھروسے کو ایک منٹ میں تار تار کر دیا۔ عورت کو کتنا ذلیل کریں گے آپ مرد اور کب تک۔ آپ کی مرضی سب کچھ ہے۔ عورت کی مرضی ہی نہیں؟ وہ آپ اور آپ کے گھر والوں کی تابع دار رہی۔ خاموشی سے زیادتیاں سہتی رہی۔ یک دم سب نے رخ موڑ لیا' آنکھیں پھیر لیں۔ جرم تھا اولاد کا نہ ہونا۔ انصاف سے بتائیے۔ اس جرم کی واحد گناہ گار تھی وہ؟"

"صفیہ۔ بس! دراصل بہت کچھ ادھر سے ادھر ہو گیا ہے۔ پھر بھی میں اوکاڑے گیا۔ وہاں اسے جس حال میں دیکھا۔ کھنڈر نما مکان۔ سیلن زدہ' بدبودار فضا' بخار میں مبتلا تن تنہا۔ میں واقعی غصے میں واپس آگیا کہ اگر یہی چاہتی ہے ثنا۔ تو یونہی سہی۔"

"اور اس سب کا ذمے دار کون ہے۔ یاسر صاحب! نظر کا چشمہ تبدیل کرلیں۔" صفیہ جلال میں آگئی۔

"اگر آپ اس سے ایک دفعہ بھی بات کر لیتے فون پر ہی سہی۔ تو معاملات صحیح رخ اختیار کر لیتے۔ مگر آپ کو اپنی والدہ کی پڑھائی ہوئی پٹی پر یقین ہو گیا۔ جب وہ میرے پاس آئی ہے۔ اس کے پاس صرف پچاس روپے تھے۔ اس رقم سے وہ پنڈی سے نہ رحیم یار خان جا سکتی تھی نہ کراچی۔ پھر وہ کہاں جاتی۔ بتایئے اور آگے جو مرحلہ اخراجات کا آنے والا تھا۔ اسے کس طرح۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی مدد تھی، میں اس کے لیے جاب کا بندوبست کر چکی تھی۔ اسے بتا بھی دیا تھا مگر اس نے یہاں آنے کے بجائے پنڈی جانا ضروری سمجھا۔ یہاں تو وہ آپ کے دھتکارے جانے کے بعد مجبور" آئی۔ سب نے اسے چھوڑ دیا۔ مگر آپ نے تو اس پر ظلم کا وہ پہاڑ توڑا ہے۔ جس کے زخموں سے نہ وہ مرتی ہے نہ زندگی پکڑتی ہے۔ میں نہ ہوتی تو وہ بے کسی کی زندگی سے چھٹکارا پانا بہتر سمجھتی۔ سڑک پر کسی کار کے نیچے آکر۔۔۔ ہاں اگر وہ تنہا ہوتی۔ تو مایوسی میں یہی کرتی۔ اس کا شکریہ ادا کریں۔ آپ کی اولاد کو بچا لیا ہے اس نے اور کسمپرسی، افلاس کے باوجود وہ صابر شاکر ہے۔ آپ سے کچھ طلب نہیں کرے گی اور کبھی بھی اس نے کسی سے کچھ مانگا ہی نہیں۔ ورنہ یوں بے بسی کی حالت میں رات کے بارہ بجے میرے دروازے کو نہ کھٹکھٹاتی۔ آپ کی گردن ثنا کے احسانوں سے ہمیشہ جھکی رہے گی۔"

یاسر کی آنکھوں سے پردہ ہٹایا نہیں۔ مگر کئی باتیں صاف ہو گئیں۔ پچھلی زندگی اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ اماں کی سنائی ہوئی باتیں بہت سی غلط نکلیں یا جھول کا شکار۔ اوکاڑے سے غصے میں بھرا کراچی چلا گیا تھا۔ اماں بہنوں کو خوش خبری سنائی۔ سب جشن منا رہے تھے مگر اسے واپس آنا تھا۔ پتہ نہیں اماں نے کیا پروگرام بنایا۔ شاید وہ ثنا کو گھر لے آئیں یا اسے اور بچے کو لے کر پنڈی آجائیں۔ وہ آئندہ کا پروگرام طے کرنے لگا۔

✿ ✿ ✿

بخار اتر گیا تھا۔ مگر نقاہت باقی تھی۔ ایک ہفتے کی چھٹی بڑھائی۔ مگر کب تک؟ بچے کے لیے ایک مسئلہ پیدا ہو گیا۔ پھر پرنسپل نے مہربانی کی۔

"بچے کو لے آیا کرو۔ برآمدے میں لٹا دیا کرنا۔ ماسی دیکھ بھال کرلے گی۔"

بچہ جن حالات کی پیداوار تھا۔ قدرت نے اسے ویسا ہی صبر دیا تھا۔ اس نے اسکول میں کبھی ثنا کو تنگ نہ کیا۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کے سونے جاگنے کی مدت بڑھ گئی۔ وہ کلاس میں پڑھاتے پڑھاتے باہر نکل کر اس کی دیکھ بھال نہیں کر سکتی تھی۔ اب یاسر سے اس کی بات ہو جاتی۔ وہ تسلی دیتا۔ معذرت کر چکا تھا۔ اسکول میں امتحان ہونے والے تھے۔ وہ زیادہ مصروف ہو گئی۔ یاسر کے اسے اپنے پاس بلانے کی خواہش پر اس نے سنجیدگی اختیار کرلی۔

"میں جہاں ہوں۔ ٹھیک ہوں۔ مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں۔"

یاسر صفیہ سے شکایت کرتا، وہ کہتی "اب آپ صبر کریں۔"

صفیہ کی والدہ بچے کی دیکھ بھال کر لیتی تھیں۔ وہ مزے سے اسکول چلی جاتی۔ بچہ محفوظ ہاتھوں میں تھا۔ دن تو گزر جاتے۔ راتیں سناٹے میں گزرتیں۔ یاسر نے پھر آکر دیکھنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ کیا مرد اتنے بے رحم اور بے نیاز ہوتے ہیں۔ جس اولاد کے لیے دوسری شادی کرلی۔ اس کو دیکھنے کے لیے بھی دل نہیں چاہا۔ کیا ہوگا اس بچے کا۔ اسے رونا آتا۔

بھائی ایک بار آئے تھے۔ وہ ان دنوں بخار میں مبتلا تھی۔ اس کی حالت زار پر آنسو بہاتے رہے۔ "تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" ان کی سوئی اسی پر اٹکی رہی۔

"بھابھی کو سب معلوم تھا۔" وہ کہہ کہہ کر ہانپ گئی۔ مگر بھائی کو بہن سے ہی شکوہ تھا۔

"کچھ بھی تھا۔ تم مجھے بتاتیں۔"

"کیسے بتاتی۔ آپ ملک سے باہر تھے۔ فون آتا تو

بھابھی بات کر کے بند کر دیتیں۔ انہوں نے آپ کو بتایا ہو گا۔"

"اچھا ہاں۔ شاید بتایا تھا۔ میں بھول گیا۔"

دل والے ایسے بھی ہوتے ہیں۔ فون پر کہتے کہ میری بات کراؤ تو بھابھی ضرور کراتیں۔ مگر بھابھی نے بھائی کو کچھ بتایا ہی نہیں ہو گا۔ وہ تو کہتی تھیں۔ "اپنا بوجھ خود اٹھانا چاہیے۔ عورت کو اپنے گھر کے حالات خود درست کرنے چاہئیں۔ تمہیں پہلے دن سے سسرال میں جگہ بنانی نہ آئی۔ ورنہ یاسر اتنی آسانی سے نہ کہتا کہ بس چلی جاؤ وہیں رہو۔"

وہ بھابھی کو کیا سمجھاتی خود کو سمجھانا بھی نہ آتا تھا اسے۔ بے رحم بن جاتی ہے۔ آتا "فاتا" گرم لو کے جھکڑ کس طرح پھولوں بھری کیاری کو تہس نہس کر دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ بغیر خطا قصور اسے زندگی سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کو بتایا نہیں۔

بھائی اس سے الوداعی ملاقات کرنے آئے تھے۔ ان کی فیملی انگلینڈ شفٹ ہو رہی تھی۔ بھائی کو پتا نہ تھا ان کی بہن کن عذابوں میں گرفتار ہے۔ وہ سر پکڑے پریشان بیٹھے رہے۔

"میں تمہیں اپنے ساتھ لے بھی جاتا مگر پاسپورٹ ویزا وغیرہ میں دیر لگتی ہے۔ میں یاسر سے بات کروں گا۔" ڈھیلی چال چلتے ہوئے وہ چلے بھی گئے۔

پندرہ دن ہو گئے۔ نہ بھائی کا کچھ پتہ چلا۔ نہ یاسر نے بھائی سے رابطے کے بارے میں بتایا اور اب تو وہ سب کچھ بھلاتی جا رہی تھی۔ شاید جو کچھ کرنا تھا۔ قدرت نے فیصلے کا حق اسی کو دے دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس دن وہ اسکول جانے کے لیے تیار تھی۔ خالہ آ گئیں "خالہ! آج یہ نہلایا نہیں۔"

"تم تسلی سے جاؤ۔ میں اسے نہلا دوں گی۔ دودھ بنا کر پلا دوں گی۔" خالہ نے اطمینان دلایا۔ آج کل وہ خود کو بہتر محسوس کر رہی تھی۔ صفیہ برابر اسے سمجھاتی رہتی تھی۔

"دماغ پر بوجھ نہ ڈالو۔ کچھ نہ سوچو۔ بس بچے کی پرورش تک مصروفیات محدود کر لو اللہ پر بھروسا کرو۔ وہ منصف ہے سب سے اعلا۔ رحم بھی کرے گا انصاف بھی۔ اسی سے مدد مانگو۔ اسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ۔"

اور وہ یہی کر رہی تھی اور اس کے دل کو سکون بھی مل رہا تھا۔ وہ صبح خاصی روشن اور خوشگوار تھی۔

"میں نہلا کر اسے گھر لے جاؤں گی۔ وہیں سے لے لینا۔"

خالہ نے کہا۔ وہ سر ہلا کر باہر آ گئی۔ بچے کا ضروری سامان بیگ میں رکھ دیا تھا۔ کچھ خیال آنے پر اس نے بچے کو گود میں اٹھا لیا۔

"میں خود چھوڑ آتی ہوں خالہ چلیے۔"

صفیہ کا گھر آ گیا تھا۔ بچے کو اندر لٹا کر' پیار کر کے اس نے ہنس کر کہا۔

"دیکھیں خالہ! میرا دوپٹہ اپنی مٹھی میں دبا لیا ہے۔ یہ تو مجھے جانے نہیں دیا کرے گا کچھ دن بعد۔"

خالہ ہنس دیں۔ "ہاں ایسا تو کرے گا۔ مگر تم پروا نہ کرو۔ ابھی تو فائدہ اٹھاؤ۔"

وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل آئی۔ دن خاصا خوشگوار تھا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی یہ آج کا دن کیسا ظالمانہ' قہر ساماں ہے۔ وہ کلاس میں تھی کہ صفیہ گھبرائی ہوئی اندر آئی۔

"چلو اٹھو جلدی چلو۔" اس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔

"کیا ہوا؟ کیا ہو گیا؟"

"بس کچھ ہوا ہے۔ نکلو' اماں باہر کھڑی ہیں۔"

صفیہ نے اس کی کہنی پکڑ کر اسے باہر کی طرف موڑ دیا۔

برآمدے میں چند ٹیچرز' چند طالبات کھڑی تھیں۔ ان کے گھیرے میں خالہ تھیں۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ثنا کو دیکھتے ہی چلائیں۔

"لے گئے۔ وہ اسے لے گئے۔" ثنا سے آگے بڑھا نہیں گیا۔ دل بیٹھ گیا۔ پیر جم سے گئے۔

"خالہ کون کون۔؟" اس کی آواز تھرتھرائی تھی۔

"وہ تمہاری ساس ان کے ساتھ دو مرد بھی تھے۔ میری گود سے چھین کر بولے 'یہ ہمارا بچہ ہے۔ ہم خود پالیں گے۔ ارے۔ میں چیخی ان کی طرف جھپٹی۔ ایک نے میرا بازو موڑا اور وہ لوگ بچے کو لے گئے۔ میں گر گئی۔ وہ دوسرا بھی چلا گیا۔ باہر کوئی تھا نہیں جو میں اسے بتاتی۔"

خالہ کانپ رہی تھیں۔ چند ٹیچرز نے خالہ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے سہارا دے کر کرسی پر بٹھایا۔ پانی پلایا۔

"ہاں اب بتائیں کیا ہوا؟" خالہ نے پھر بولنا شروع کر دیا تھا۔ مگر ثنا اب کچھ سن نہیں رہی تھی۔ وہ برآمدے کے فرش پر بیٹھ گئی تھی۔

صفیہ نے اسے اٹھایا "گھر چلو۔"

"پولیس، پولیس کو بلاؤ۔ اغوا کا کیس ہے۔" کسی نے کہا۔

"اسکول کے احاطے سے بچہ لے جانا۔ کوئی چوکیدار، کوئی گارڈ۔ آخر سب کہاں تھے؟"

پرنسپل چیخ رہی تھیں۔ دراصل کوارٹرز سائڈ پر جو گیٹ تھا۔ وہاں کا چوکیدار موجود تھا۔ پتا چلا "آنے والوں نے بڑے اطمینان سے صفیہ کے گھر کے بارے میں پوچھا اور بوڑھی خاتون کی وجہ سے چوکیدار کو شک نہ ہوا۔ ایک مرد نے کہا کہ میں ثنا کا ماموں ہوں۔ چوکیدار نے انہیں بچہ لے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے ان سے سوال جواب کیے۔ ماموں نے بتایا 'بچہ بیمار ہے ڈاکٹر کو دکھانے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اطمینان سے بات کی تھی۔ چوکیدار کو شک بھی نہ ہوا اور وہ چلے گئے۔ ٹیکسی باہر کھڑی تھی۔ یہ بہت ظالمانہ کارروائی تھی۔ مگر۔۔۔ ثنا نہ ہی صفیہ پولیس کے حق میں تھیں۔ بلکہ پرنسپل بھی اسکول کی بدنامی سے بچنا چاہتی تھیں۔ صفیہ کی اماں۔ ثنا کی ساس کو خوب پہچانتی تھیں۔ ثنا سوچ رہی تھی۔ میں نے اس کے بارے میں کبھی بھی سوچا کیوں نہیں۔ کیا یہ ظلم کی انتہا نہیں۔

"میں نے یاسر کو فون کر دیا ہے۔" صغیر نے آکر کہا۔ "وہ آجائے گا۔"

"تو کیا ہو گا۔ وہ ماں کی حمایت کریں گے دیکھ لینا اور ہو سکتا ہے انہوں نے خود یہ اغوا کروایا ہو۔"

"نہیں ثنا! یاسر کو کیا ضرورت ہے۔ شک نہ کرو۔"

مگر ثنا پر جو قیامت گزر رہی تھی۔ اس سے وہ ہر کسی سے برگشتہ ہو رہی تھی۔ یاسر کا بچے کو دیکھنے نہ آنا۔ بھی اسی سلسلے کی کڑی تھا۔ اس نے خود ماں کو بھیج کر بچے کو بلوا لیا ہے۔ وہ بچے کو خود فیڈ کرواتی تھی۔ جونہی احساس ہوا، وہ چیخ پڑی۔ "صفیہ! میرا بچہ بھوکا ہے۔ اسے کہیں سے لا دو۔ خدا کے لیے وہ رو رہا ہو گا۔"

"وہ بہت جلد آجائے گا۔ یاسر اسے لے کر آئیں گے۔"

"نہیں۔ وہ نہیں لائیں گے۔ اسے بھوک لگی ہے۔ اسے ایک بار تو لے آؤ۔ وہ میرا ہے۔ صرف میرا۔"

"ہاں۔ وہ تمہارا ہے۔ مگر خدا کے لیے ذرا صبر تو کرو۔"

"کیسے کروں صبر۔ میرا بچہ بھوکا ہے۔"

"ثنا ہوش میں رہو۔ رو رو کر بیمار ہو جاؤ گی۔"

وقت گزر رہا تھا ثنا کا صبر ہاتھ سے چھوٹ رہا تھا۔ وہ گھر سے باہر بھاگنے لگی۔ "میں اسے لے آؤں۔ رو رہا ہو گا۔ انہیں کیا پتا کہ وہ بھوکا ہے۔" کبھی خالہ کے آگے ہاتھ جوڑتی۔ "بلا لائیں اسے۔ پلیز خالہ۔ میں کیا کروں گی اس کے بغیر۔ مر جاؤں گی۔ وہ اسے دور کہیں لے گئے ہیں۔"

"آجائے گا ثنا! آجائے گا۔ اللہ سے مانگو۔"

ثنا کو بخار ہو گیا۔ چیخ چیخ کر رو رو کر بے حال ہو گئی تھی۔

اب رات زیادہ ہو گئی تھی۔ ہمدردی کرنے کے لیے آنے والیاں اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔ ثنا کو زبردستی لٹا دیا گیا۔ صفیہ پریشان تھی۔ یاسر ابھی تک نہیں آیا۔ کیوں آخر ثنا پر ترس بھی آیا۔ کیسی قسمت ہے اس کی۔ کوئی پرسان حال نہیں اور خود اس قدر کمزور اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتی۔

اماں اونگھنے لگی تھیں۔ مگر صفیہ کی آنکھیں

اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔ ثنا بمشکل رو رو کر چپ ہوئی تھی۔ شاید تھک گئی تھی یا۔۔۔ پرامید تھی۔ اسے بھی یاسر کا انتظار ہوگا۔ وہ آئے گا۔ اور اس کی جلتی ممتا پر اپنی محبت۔ بچی محبت کے چھاپے رکھے گا۔ مگر وہ ہے کہاں؟

"وہ اسے کراچی لے گئی ہوں گی۔" سناٹے میں ثنا کی آواز بہت بھاری تھی۔ صفیہ ڈر گئی۔

"کیوں۔۔۔ اسے مار دیں گی۔ مگر مجھے نہیں دیں گی۔ صفیہ! وہ بہت ضدی ہیں۔ جو سوچ لیتی ہیں کرکے رہتی ہیں۔"

"چپ رہو۔ کیوں ماریں گی۔ بہت لاڈ کر رہی ہوں گی۔" صفیہ نے اسے تھپکی دی۔

"انہوں نے سوچا اور یاسر کی شادی کردی۔ جب سوچا۔ مجھے گھر سے نکال دیا اور اب۔۔۔ انہیں صرف مجھ سے ہی نفرت ہے۔ میں نے ہمیشہ ان کا خیال رکھا کہ یہ یاسر کی امی ہیں۔ پھر بھی آخر لوگ نفرت کرتے ہی کیوں ہیں۔ پھر ایک نفرت۔ دیکھو صفیہ۔ کتنا اندھیرا ہے اور کتنا سناٹا۔ روزی۔۔۔ وہ ہوتا تھا میرے پاس تو کتنی روشنی ہوتی تھی۔ مجھ سے باتیں کرتا تھا۔ صفیہ۔ میرے ابا چلے گئے۔ اماں بھی گئیں۔ یاسر بھی بھائی بھی۔ مجھے چھوڑ گئے سب۔ میں سمجھتی تھی میرا قصہ میرا بیٹا میرے پاس رہے گا ہمیشہ میں اس کے لیے بھی نہیں روؤں گی۔ مگر وہ تو ابھی سے چلا گیا۔"

"وہ کہیں گیا نہیں ہے۔ ثنا! اسے لوگ لے گئے ہیں۔ ورنہ وہ کہاں جاتا تمہارے بغیر۔ دادی ہیں وہ۔ بہت ارمان تھا انہیں تو لے گئیں۔ لے آئیں گی۔"

"ارمان تو تھا انہیں۔ یاسر کے بیٹے کا۔ میرے بیٹے کا نہیں۔ میں اسے جا کر دیکھ آؤں صفیہ؟" اتنا دل خراش لہجہ تھا ثنا کا۔ صفیہ کی پلکیں بھیگ گئیں۔ دل کو کچھ ہونے لگا۔ "اے اللہ اس کی ممتا ٹھنڈی رکھنا۔"

"صبر سے کام لو ثنا۔ اللہ دیکھ رہا ہے۔"

"کب تک صبر کروں۔ انہوں نے بلاوجہ مجھ سے ضد باندھی۔ یاسر کی شادی کردی۔ میں صبر کرتی رہی۔ کیا وہ کچھ دن انتظار نہیں کر سکتی تھیں؟ مگر پھر انہوں نے مجھے گھر سے نکالا اور یاسر کو میری طرف سے بھڑکایا۔ جب مجھے منصر کی نوید ملی میں پنڈی گئی۔ یہ سوچ کر اس یقین کے ساتھ کہ اب تو یاسر مجھے رکھ لیں گے۔ میں انہیں اولاد دوں گی۔ میں انہی کے ساتھ رہوں گی۔ مگر یاسر۔"

وہ اب زور زور سے رو رہی تھی۔

"انہوں نے میری بے عزتی کی۔ میری ایک بات بھی نہیں سنی۔ مجھے بولنے نہیں دیا۔ جو کبھی میں نے کیا نہیں جس کے بارے میں سوچا تک نہیں۔ وہ الزام مجھ پر۔۔۔ میں تمہارے پاس آئی۔ تو میں ہر طرف سے زخمی تھی۔ راستے میں سوچتی آئی کہ میں مر گئی تو۔۔۔ نہ جانے کون میری میت اٹھائے گا۔ زندہ رہی تو کھاؤں گی کیا، بچے کو کیسے پالوں گی۔ اس بچے کو کیا بتاؤں گی یہ کون ہے۔ میں نے تو ہر وقت اللہ کا شکر ادا کیا ہے صفیہ۔ کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ بھائی سے نہ شوہر سے۔ کبھی کسی کو دکھ نہیں دیا۔ پھر مجھے کیوں ہر جگہ سے دکھ ملتے ہیں۔ میں تو کبھی شکوہ بھی نہیں کرتی کسی سے۔ لیکن لوگوں کو مجھ سے بہت شکوے ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ سزا بہت ہے میرے لیے، میرا بچہ کیوں چھینا انہوں نے۔ صفیہ! مجھے کراچی جانے دو۔ اسٹیشن پہنچا دو مجھے۔ بس ایک بار اسے دیکھ لوں پھر تمہیں بھی تکلیف نہیں دوں گی۔"

وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ صفیہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کن الفاظ میں تسلی دے اسے۔ شدت گریہ سے چہرہ سوجا ہوا تھا۔

"صبر، صبر ثنا! صبر کرو۔"

"جن کے بچے مر جاتے ہیں نا صفیہ! انہیں بہت جلد صبر آ جاتا ہے۔ میں صبر کیسے کروں۔" ثنا پھر سے سوال کر رہی تھی۔ اس کی آواز میں درد تھا۔

"انہوں نے کہا کہ تم بانجھ ہو۔ میں چپ رہی۔ میں نے یاسر کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ صفیہ! عورتیں ہی بانجھ کیوں ہوتی ہیں؟ مرد بھی کیوں بانجھ نہیں ہوتے۔ کبھی کسی مرد نے عورت سے یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل نہیں کیا کہ تم بانجھ ہو اور جب مجھ بانجھ عورت نے

انہیں پوتا دے دیا۔ تو وہ اسے چھین کر لے گئیں۔ یہ کیسا انصاف ہے صفیہ! تم کچھ بولتی کیوں نہیں ہو۔ ہر وقت نصیحتیں کرنے والی! آج کیوں چپ لگ گئی تمہیں۔ پلیز رحم کرو مجھ پر۔ بس ایک بار مجھے اس کی صورت دیکھنے دو۔ میں۔۔۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ اسے دیکھ کر آجاؤں گی۔ بس ایک دفعہ جانے دو مجھے۔"

اس کا چہرہ سوج کر نیلا ہو گیا تھا۔ بال بکھرے ہوئے۔ وحشت زدہ۔ وہ پاگل لگ رہی تھی۔ ایک پاگل ماں کا چہرہ جو زبان حال سے کہہ رہا تھا۔ مجھے پہچانو۔ میں ایک ماں ہوں۔ جس کا بچہ اس سے چھین لیا گیا ہے۔

"تمہیں کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں۔"

یہ ایک مہربان رقت آمیز آواز تھی۔ مگر شدت گریہ سے وہ سن نہ سکی تھی۔ ہاں صفیہ۔ جو دیر سے تصویر حیرت بنی دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسی لیے وہ ثنا سے کچھ کہہ نہ سکی۔ سامنے ہی ایمن اور یاسر کھڑے ثنا کی فریاد خاموشی سے سن رہے تھے یاسر کی گود میں یقیناً" عنصر تھا جو اس نے آگے بڑھ کر بلکتی ہوئی ماں کی گود میں ڈال دیا۔ ثنا کو یک لخت گود بھری بھری لگی اور پھر وہ مانوس لمس۔ اس کے حلق سے ایک چیخ برآمد ہوئی۔ اس نے اس نرم و گداز وجود کو سینے میں دبوچ لیا۔ اور بالکل سکتے کے عالم میں بیٹھی رہ گئی۔

یہ معجزہ کیسے ہوا۔ کئی منٹ بعد اس نے سر اٹھایا۔ سامنے یاسر اور ایمن کو کھڑا دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں بھیگی بھیگی اور لبوں پر مسکان۔ ثنا کے ہونٹوں پر بھی ویسی ہی مسکراہٹ آگئی۔

"آپا! ہمیں معاف کردیں۔ آنے میں دیر ہو گئی۔"

وہ ثنا کے گلے میں بازو ڈال کر اس کا مسکراتا چہرہ دیکھنے لگی۔ بکھرے بال، خوف زدہ آنکھوں کے ساتھ ایک دلکش مسکراہٹ۔ ثنا نے بچے کو زور سے لپٹا لیا۔ کیسے دل کو قرار آتا ہے۔ کیسے جلتے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے۔ یہ اسے ابھی علم ہوا تھا اور یہ لوگ۔۔۔ وہ تھے۔ جن سے وہ بدظن تھی، دشمن سمجھ رہی تھی۔ انہوں نے اس کے لیے نہ جانے کس طرح اپنی اماں سے جھگڑا کیا ہو گا۔ وہ اب آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ اس کے کانوں میں بچے کے سانسوں کی آواز کے سوا اور کوئی آواز نہ تھی۔ ہاں اس کی آغوش گرم تھی۔ اس کی مامتا ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اس کے جذبات پر صرف عنصر کا راج تھا۔ میرا عنصر، صرف میرا عنصر اور کوئی نہیں۔۔۔ اماں ہڑبڑا کر اٹھیں۔ وہ او گھ گئی تھیں۔ صفیہ نے انہیں بتایا۔

"اماں! عنصر آگیا۔"

"ہیں؟" گھبراہٹ میں اماں نے تکیہ کھینچا۔ "اری ثنا! جا اندر جا کر بچے کو دودھ دے ——— چل اندر، اللہ تیری مامتا ٹھنڈی رکھے۔"

صفیہ کو بھی اب یاد آیا۔ اس نے بھی ثنا کو جھنجھوڑا۔

"اٹھو ثنا! کمرے میں جاؤ۔"

ناطاقتی کے باعث ثنا سے اٹھا نہیں گیا۔ ایمن نے بچے کو گود میں لے لیا۔ صفیہ ثنا کو اٹھنے میں مدد دے رہی تھی کہ یاسر نے آگے آکر کہا۔

"ٹھہرو، میں لے چلتا ہوں۔" اس نے ثنا کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دونوں آہستہ آہستہ اندر جانے لگے۔ ایمن ان کے پیچھے پیچھے بچے کو لیے جا رہی تھی۔ اچھا سین تھا۔ دل فریب نظارا۔ صفیہ مسکرا دی۔

ایمن بچے کو اندر لٹا کر آگئی۔ تب اس نے صفیہ کو پوری داستان سنا دی۔

"آپ کا فون آیا۔ تو ہم پریشان ہو گئے۔ یہ تو کراچی جانے کو تیار بیٹھے تھے۔ مگر میں نے کہا۔ اماں ابھی کراچی نہیں گئی ہوں گی۔ اوکاڑے میں ماموں جان ہیں۔ وہیں ہوں گی۔"

"تم لوگوں نے اتنی دیر کر دی۔ میں یہی سمجھ رہی تھی کہ تم لوگ کراچی ہی آگئے ہو گے۔" صفیہ بولی۔

"نہیں پنڈی میں کوئی سواری نہیں تھی۔ ٹرین کا بھی وقت نہ تھا۔ پھر ہم نے ٹیکسی کرلی۔ وہ بھی سست۔ خیر ہم ماموں کے گھر پہنچے۔ اتفاق دیکھیں۔ ماموں اس

وقت اسٹیشن گئے تھے کراچی کے لیے ٹکٹ لینے۔ اماں کی گود میں چھوٹا بچہ تھا۔ ویسے اماں ہمیں دیکھ کر خاصی گھبرا گئی تھیں۔ میں نے بچے کو جھٹ گود میں اٹھایا اور کہا "ہائے یہ کس کا بچہ ہے اماں اتنا پیارا۔

انہوں نے اسے مجھ سے چھین لیا۔ بولی نظر نہیں آتا۔ بالکل میری کاپی ہے۔" اور انہوں نے باہر کی طرف قدم بڑھائے۔ میں پیچھے پیچھے اماں ہمارے پیچھے بھاگیں۔ دہائیاں دیتی ہوئی۔ ہم نے فٹ ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور دونوں غڑاپ سے اندر ٹیکسی زن سے آگے۔ مگر اسکول کا راستہ یہ بھول گئے۔ بہت دیر میں پوچھ پاچھ کر گیٹ پر پہنچے۔ وہاں گارڈ سے لمبی بات ہوئی تب گیٹ کھلا۔ کوارٹر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بچی میں نے آپا کی جو حالت دیکھی نا۔ تڑپ گئی۔ ان کی باتیں سن کر میں تو رونے لگی۔ جب آپا ہمارے ہاں آئی تھیں اور کچھ کھائے بغیر چلی گئی تھیں، مجھے جب بھی بڑا رونا آیا تھا۔ صفیہ آپا! ہم اتنے ظلم کیوں کرتے ہیں۔ میں نے تو آپا کی کسی سے برائی نہیں سنی۔ اماں نے پتہ نہیں یاسر کو کیا بتایا کہ یہ خفا ہو گئے۔ میں برابر کہتی رہی۔ آپا بہت اچھی ہیں۔ ان پر ظلم ہوا ہے۔ ہم انہیں اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔"

ایمن صفائی پیش کر رہی تھی۔

"تم لوگ بھی تھکے ہوئے ہو۔ مگر ہمارے کوارٹرز میں مہمانوں کو ٹھہرانے کی اجازت ہے نہ گنجائش۔ لیکن آج تم کو ثواب بہت ملا ہے۔ ویسے میں یاسر سے خفا تھی۔ اتنی اچھی بیوی کی قدر نہ کی اس نے۔ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر خود سکون کی نیند سوتے رہے۔ وہ تنہا عذاب سہتی رہی۔"

"ہائے نہیں بچی آپا! یہ کبھی چین کی نیند نہیں سوئے۔ ان کی تو نیند ہی غائب ہو گئی تھی۔ رات کو ٹہل ٹہل کر صبح کرتے تھے۔"

"اچھا ایمن! میں تم لوگوں کے لیے چائے بناتی ہوں۔ ساتھ ہی ثنا کو بھی کچھ کھلا دینا۔ صبح سے اس نے کچھ کھایا نہیں اور پلیز یاسر سے کہو۔ کوئی فیصلہ کر کے جائیں۔ یہ مر جائے گی اور کوئی رونے والا بھی نہیں ملے گا۔ میرے سوا۔"

اندر سے نکلتے ہوئے یاسر نے صفیہ کی باتیں سن لی تھیں۔ بولا "چائے تو ہم ضرور پی لیں گے۔ ٹیکسی ڈرائیور بھی جمائیاں لے رہا ہے۔ ایمن! تم اندر آ کر ذرا مدد کرواؤ۔ دراصل ہم ثنا کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ کہیے آپ کو یہ فیصلہ پسند آیا؟"

صفیہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "بہترین اور شاندار۔ کاش آپ نے اتنی دیر نہ کی ہوتی تو ثنا کی یہ حالت نہ ہوتی۔" اس کی آواز بھاری ہو گئی۔ "آپ نے اس کے صبر کو بہت آزمایا۔ ناجائز طور پر۔"

یاسر نے اس کے سامنے آ کر سلیوٹ مارا۔ "آپ گریٹ ہیں۔ میں آپ کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ دراصل جس فوج کا کمانڈر آپ جیسا جری ہو۔ اس فوج کے ہارنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ ثنا نے آپ کے جھنڈے تلے جنگ لڑی اور فتح اس کا نصیب بنی۔"

"درست کہا آپ نے لیکن اتنا اور کہوں گی، آپ جیسے مردوں سے کہ ہر عورت نہ اتنی ثابت قدم ہوتی ہے نہ ہی صابر، پلیز عورت کو اس کی طاقت سے زیادہ نہ آزمائیں اور ثنا جیسی لڑکیاں، جو آپ مردوں کی زیادتیاں سہ رہی ہیں۔ ان پر رحم بھی کریں اور انصاف بھی۔"

"میں صبح یہ اعلان ملک کے چپے چپے پر پہنچوا دوں گا۔ خواہ اس کے لیے ہیلی کاپٹر چارٹر کرنا پڑے۔"

"کاش کہ آپ میں قوت فیصلہ ہوتی۔ تو یہ دن نہ آتا۔ آپ کمزور مرد ہیں۔ آئندہ ذرا احتیاط کریں۔ دو بیویوں سے انصاف کرنا بھی مردانگی کی دلیل ہوتی ہے۔"

"میں آپ سے ہدایات لیتا رہوں گا مائی لارڈ!"

"مذاق نہ کریں یہ وقت مذاق کا نہیں ہے۔" وہ بگڑی۔

"تو رونے کا بھی نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ مذاق کا بھلا اور کب موقع ملے گا۔ میں دعا گو رہوں گا کہ آپ کو بھی کوئی مجھ جیسا انصاف پسند جیون ساتھی ملے۔ آمین۔ بلکہ میں آپ کے لیے خود بھی کوشش

کروں گا۔"

"ارے بیٹے۔" خالہ نے خوش ہو کر ایک بار پھر بچے کو چوما "یہ بچہ تو بہت ہی اچھا ہے۔ دیکھو ذرا۔" پھر انہیں کوئی مخاطب نظر نہ آیا تو یاسر سے ہی بولیں۔

"ہاں بیٹا! صفیہ کو بھی اسکول کی نوکری اور اس کوارٹر سے نجات ملے۔ بہت کرلی نوکری۔ اب اپنا گھر سنبھالے۔"

"جی خالہ جان!" یاسر نے گردن ہلائی۔ پھر صفیہ کے قریب ہو کر چپکے سے بولا۔ "ویسے اور کوئی رشتہ نہ ملا۔ تو میں حاضر ہوں۔ خاصا تجربے کار شوہر ملے گا سوچ لیں۔"

صفیہ نے چڑ کر منہ پھیر لیا۔ "در فٹے منہ 'مسخروں' کو میں پسند نہیں کرتی۔"

ثنا باہر آرہی تھی۔ اس نے لباس تبدیل کرلیا تھا۔ چہرے کی کیفیت میں بھی خاصا فرق تھا۔ ایمن بچے کو لیے ہوئے تھی۔ دروازے کے پاس ثنا کا بیگ رکھا تھا۔ وہی بیگ جسے لے کر وہ صفیہ کے پاس آئی تھی۔ صفیہ چائے لے کر آئی۔ بسکٹ بھی ساتھ تھے۔ یاسر ڈرائیور کو چائے دے آیا۔ سب چائے سے فارغ ہوئے تو اذان فجر ہو رہی تھی۔ سب نے نماز ادا کی پھر ثنا صفیہ سے لپٹی۔ اماں سے دعائیں سمیٹیں۔ صفیہ نے بچے کو پیار کیا۔ ثنا جذباتی ہو رہی تھی۔

"میں تمہارے احسانات کا بدل کیسے ادا کروں گی صفیہ۔"

"اس کے لیے خادم حاضر ہے۔" یاسر نے خوش دلی سے کہا۔ "اگر ایمن تحریری اجازت نامہ دے دے۔ جیسا کہ ثنا نے ایمن کے لیے لکھا تھا۔"

"کتنا شوق ہوتا ہے مردوں کو بیویاں پالنے کا۔ توبہ اللہ۔" صفیہ بھناگئی۔

"صفیہ! میں نے .... یہ فیصلہ درست کیا ہے نا۔ یاسر کو معاف کرنے کا۔" ثنا رک کر بولی۔ وہ دروازے پر پہنچ گئے تھے۔ یاسر آگے جا چکا تھا۔

"نہ صرف معاف کرنے کا۔ بلکہ اس پر اعتماد کرنے کا بھی۔ اور ساتھ رخصتی کا بھی۔"

یاسر نے رخصتی کا لفظ سن کر ٹھٹکنے کی اداکاری کی۔ "کیا آپ ابھی رخصتی بھی۔۔۔"

صفیہ نے چلا کر ثنا سے کہا۔ "ثنا! منع کردو اپنے شوہر نامدار کو۔ میں پٹائی بھی کردیتی ہوں۔ لحاظ نہیں کرتی۔ کیا سمجھے میں۔" "اب وہ ایمن کو گلے لگا رہی تھی۔

ثنا سمجھنے والے انداز میں یاسر کو دیکھنے لگی۔ وہ دروازے پر کارٹون بنا رہا تھا۔

صبح کی روشنی دم بدم بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک حسین خوشگوار صبح کا آغاز ہونے جا رہا تھا۔ مسافروں کے چہرے اس صبح سے تاب ناکی وصول کر رہے تھے۔ ٹیکسی ہارن دے کر آہستہ آہستہ کھسکنے لگی۔

"اسکول میں پہلا کام ثنا کا استعفیٰ ہوگا۔" صفیہ کے لبوں پر تبسم تھا۔ وہ کارٹون دیکھ رہی تھی۔ جو یاسر نے بنایا تھا۔ "یہ شخص کیا جیب میں مار کر لیے پھرتا ہے۔ کبھی پوچھوں گی۔"

اندر کے کمرے کا دروازہ بند کرنے کی نیت سے اسے آگے گیا۔ وہاں بھی ایک کارٹون موجود تھا۔ صاف طور پر صفیہ کا کارٹون۔

"سمجھ لوں گی مسٹر۔ بیوی کے آنسو نہیں تھمتے۔ میاں مسخرے بن میں آگے آگے۔"

سورج نے کرن پھینکی تھی۔ آنکھیں چندھیا گئیں ہنسی آگئی۔